E-Content

Instructional Media Centre
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad - 32
T.S. India

Subject / Course - M.A

Paper	:	**Maghribi Fikr-e-Siasi (Aflatoo ta Marx)**
Module Name/Title	:	**Maghribi Fikr-e-Siasat Mein Aflatoon Aur Arasto Ka Hissa.**

DEVELOPMENT TEAM	
CONTENT	DDE SLM / Dr. Masood Jaffry
PRESENTATION	Dr. Masood Jaffry
PRODUCER	Md. Mujahid Ali

IMC MANUU
Instructional Media Centre
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad - 32
T.S. India
//imcmanuu

اکائی—2 افلاطون
Plato

Structure ساخت

Structure		ساخت
Introduction	2.1	تمہید
Introducing Plato	2.2	افلاطون کا تعارف
The Man and His Times	2.2.1	شخصیت اور عہد
His Works	2.2.2	تصانیف
His Methodology	2.2.3	طریقہ کار
Philosophical Foundations of Plato's Political Theory	2.3	افلاطون کے سیاسی فلسفہ کی فلسفیانہ بنیادیں
Socratic Base	2.3.1	سقراطی بنیاد
Theory of Ideas	2.3.2	نظریۂ خیالات
Political Philosophy of Plato	2.4	افلاطون کا سیاسی فلسفہ
Theory of Justice	2.4.1	نظریۂ انصاف
Scheme of Education	2.4.2	منصوبۂ تعلیم
Community of Wives and Property	2.4.3	بیویوں اور جائداد کی اشتراکیت
Ideal State: The Ruling Class/Philosophic Ruler	2.4.4	مثالی ریاست: فلسفی حکمراں
Evaluation of Plato's Political Theory	2.5	افلاطون کے سیاسی نظریہ کا احتساب
Plato's Adversaries	2.5.1	افلاطون کی خامیاں
Plato's Place in Wertern Political Theory	2.5.2	مغربی سیاسی فکر میں افلاطون کا مقام
Summary	2.6	خلاصہ
Exercises	2.7	مشق

Introduction 2.1 تمہید

یونانی فلسفی افلاطون (428/7 - 348/7 قبل مسیح) سیاسی فلسفہ کی تاریخ میں سب سے زیادہ موثر تخلیقی فلسفیوں میں سے ایک تھا۔ افلاطون پر وقتاً فوقتاً بہت سی تصانیف منظرِ عام پر آچکی ہیں بعض نے افلاطون کو عیسائیت کا حقیقی ذہنی تخلیقی کار 'عیسیٰ سے قبل عیسائی' قرار دیا۔ بعض کے نزدیک، افلاطون ایک انقلابی ہے اس میں، بھی انتہا پسند ہے اور بعض کے خیال میں، وہ ایک رجعت پسند ہے اور اس معنی میں، فاشسٹ ہے۔ دورِ جدید میں، افلاطون کے تنقید نگاروں میں درج ذیل مصنفین شامل ہیں: سی۔ایم۔ بورا (قدیم یونانی ادب، 1933)[1] ڈبلیو فائٹ (افلاطونی روایت، 1934)[2] آر۔ایچ۔ کراس مین (افلاطون آج، 1937)[3] اے۔ڈی۔ وِنس پیَر (افلاطون کے فکر کی ابتداء، 1940)[4] اور کارل پوپر (کھلا معاشرہ اور اس کے دشمن، جلد 1۔

1. سی۔ایم بورا : C.M.BOWRA: ANCIENT GREEK LITERATURE, 1933
2. ڈبلیو فائٹ : W. FITE : THE PLATONIC LEGEND, 1934
3. آر۔ایچ۔کراس مین : PLATO TODAY, 1937
4. اے۔ڈی۔ وِنسن پیَر : A.D.WINSPEAR : THE GENESIS OF PLATO'S THOUGHT,1940

1945[5]، افلاطون کے مداحوں میں درج ذیل مصنّفین شامل ہیں: رونالڈ۔آر۔لے وِن سن (افلاطون کے دفاع میں، 1953)[6] اور جون وائلڈ (افلاطون کے جدید دشمن اور فطری کتب قانون کا نظریہ، 1953)[7] افلاطون کا بیان اور تشریح، باقاعدہ تفصیلات درج ذیل مصنفین کی کتب میں دستیاب ہے: ارنیسٹ بارکر (یونانی سیاسی نظریہ: افلاطون اور اس کے پیش رو، 1918)[8] اور رچرڈ لیوس نیٹل شِپ (افلاطون کی جمہور پر لکچرس، 1929)[9] اس عظیم فلسفی کے تعارف کے لئے، یہ چند تصانیف پر مشتمل ایک فہرست ہے جو افلاطون کے مطالعہ کے لئے مفید ہیں۔

مغرب میں، سیاسی فلسفہ کی ابتداء قدیم یونان سے ہوتی ہے اور افلاطون جس کو سیاسی تحقیق اور غور و فکر کی روایات وراثت میں ملی تھیں اور وہی اس فلسفہ کا پہلا مجسم ثبوت ہے۔ وہ ایک مثالیت پسند تھا جس نے مغرب میں سیاسی مثالیت یا عینیت کی بنیاد ڈالی۔ وہ ایک فلسفی تھا جس نے ایسی چیزوں کا تصور کیا جن کو لوگ دیکھ سکیں۔ وہ ایک دانش مند تھا کیونکہ اس نے فلسفہ کو منزل عطا کی۔ وہ ایک انقلابی تھا کیونکہ اس نے اپنے اِردگرِد تباہ شدہ معاشرہ کو ایک جدید اور انوکھے تانہ بانہ سے تعمیر کرنے کی کوشش کی۔ اس عمل میں، افلاطون اپنے عہد کے موجودہ نظام سے بہت دور چلا گیا اور اس کو ایک خیال پسند، نا قابل عمل، عینیت پسند جیسے الزامات کا مورد ٹھہرایا گیا۔ مغربی فکرِ سیاسی میں افلاطون کا مقام ہمیشہ لاثانی رہے گا۔ بہت سے عینیت پسند افلاطون کی اپنا استاد تسلیم کرتے ہیں اور خود کو اس کا شاگرد کہلانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ کچھ افلاطون کی تعریف کرتے ہیں تو بعض اس کی تردید کرتے ہیں۔ لیکن کوئی بھی اس کو نظر انداز کرنے کی جسارت نہیں کرتا۔ اسی میں افلاطون کی عظمت پوشیدہ ہے۔ حقیقت میں وہ عینیت پسندوں میں عینیت پسند، فن کاروں میں فنکار، فلسفیوں میں فلسفی اور انقلابیوں کی درمیان انقلابی تھا۔

Introducing Plato — 2.2 افلاطون کا تعارف

2.2.1 شخصیت اور عہد

پیدائش اور مزاج دونوں معنی میں افلاطون اشرافیہ طبقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی پیدائش جمہوری ایتھینز[10] میں اسی وقت ہوئی جب ایتھینز اور اسپارٹا[11] کے درمیان خونخوار جنگ ہو رہی تھی جو (Pelloponnesian) جنگ کہلاتی ہے۔ یہ جنگ 28 سال تک جاری رہی اور نتیجہ میں ایتھینز کا زوال ہو گیا۔ والد کے رشتہ سے افلاطون کا تعلق افریقہ کے قبائلی بادشاہوں میں سے آخری بادشاہ کوڈرس[12] سے ملتا تھا یہاں تک کے یونانی دیوتا (Poseidon) کے خاندان سے بھی تھا اور والدہ کے جانب سے، اس کا تعلق عظیم قانون ساز سولون[13] سے تھا۔

ابھی افلاطون بچہ ہی تھا کہ اس کے والد کا انتقال ہو گیا اور اس کے والدہ[14] پیریکشن نے پیری لیم پس[15] سے شادی کر لی جو سیاسی مدبر پیری کلس[16] کا دوست تھا۔ ایک نوجوان کی حیثیت سے افلاطون سیاسی حوصلے رکھتا تھا لیکن وہ سقراط[17]، کا شاگرد بن گیا، اس کے بنیادی فلسفہ کو قبول کر لیا اور اس کے بحث و مباحثہ کے طریقہ کو اپنا لیا جس کے معنی تھے: بحث و مباحثہ کے ذریعہ حقیقت کا علم حاصل کرنا۔ دراصل، افلاطون اپنے اردگرد پیش آنے والے واقعات سے مطمئن نہیں تھا۔ جب اسپارٹا میں ایک کٹھ پتلی حکومت قائم کی گئی جس کو "تیس کی حکومت"[18]، بھی کہا جاتا تھا، تو افلاطون کو حکومت میں شامل ہونے کا دعوت نامہ ملا۔ اس حکومت میں اس کے دو ماموں کری شیاس[19] اور چارمی ڈس[20] بھی شامل تھے۔ افلاطون نے یہ پیش کش ٹھکرا دی۔ وہ تمام طور پر، سیاسی سربراہی سے مطمئن نہیں

5. کارل پوپر : KARL POPPER: THE OPEN SOCIETY AND ITS ENEMIES, VOL,1,1945
6. رونالڈ آر۔ بے وِن سن : RONALD R. LEVINSON: IN DEFENCE OF PLATO, 1953
7. جون وائلڈ : JOHN WILD: PLATO'S MODERN ENEMIES AND THE THEORY OF NATURAL LAW, 1953
8. ارنیسٹ بارکر : ERNEST BARKER: GREEK POLITICAL THEORY: PLATO AND HIS PREDECESSORS, 1918
9. رچرڈ لیوس نیٹل شِپ : RICHARD LEWIS NETTESHIP: LECTURES ON THE REPUBLIC OF PLATO, 1929
10. ایتھینز : ATHENS
11. اسپارٹا : SPARTA
12. کوڈرس : CODRUS
13.
14. پیرکشن : PERICTIONE
15. پیری لیم پس : PERILAMPES
16. پیری کلس : PERICLES
17. سقراط : SOCRATES
18. 'تیس کی حکومت' : 'RULE OF THIRTY'
19. کری سیاس : CRITIAS
20. چارمی ڈس : CHARMIDES

تھا۔ اور خاص طور پر، یکے بعد دیگرے قائم ہونے والی حکومتوں سے وہ سخت نالاں تھا جس سے اسے تلخ تجربات ہوئے۔ پہلے تو ''تیس کی حکومت'' کے ذریعہ اور بعد میں، مقامی جماعت کے اقتدار میں واپسی تک۔ جس میں اول الذکر حکومت نے سقراط کو نوجوانوں کے ورغلانے کے الزام میں پھنسا دیا اور دوسری حکومت نے اس الزام کی وجہ سے سقراط کو سزائے موت دی۔ ان سب باتوں نے افلاطون کو بخوبی ذہن نشین کرادیا کہ اگر مناسب التزام اور رہنمائی نہ ہو تو کل سیاست خراب ہوتی ہے، یہ برائی ہے۔ افلاطون نے خود اپنی تصانیف ''ساتواں خط''[21] میں، جو خود اس کی سوانح حیات بھی سمجھی جاتی ہے، کہا کہ اگرچہ ابتداء میں سیاست میں جانے کا مجھے شوق تھا لیکن جب میں نے ان چیزوں کو دیکھا (مدنی ریاستوں میں سیاسی زندگی کا عمل) اور دیکھا کہ اس راستہ میں آنے والی ہر چیز کی نہ کوئی رہنمائی ہے اور نہ انتظامات، تو مجھے عجیب سا محسوس ہونے لگا—— لیکن بالآخر میں نے دیکھا کہ جہاں تک موجودہ ریاستوں کا تعلق ہے ان سب پر بُری طرح حکومت کی جارہی ہے۔ ان کے قانون کی حالت لاعلاج ہو چکی ہے سوائے بعض معجزاتی حادثات کے، حقیقی فلسفہ کی تعریف میں، میں یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ صرف اسی کے ذریعہ سچا انصاف—— دائمی اور عوامی، قابلِ حصول ہے۔ اسی لئے میں نے عہد کیا کہ تمام قومیں اپنی ذاتی پریشانیوں کو اس وقت تک ختم نہیں کر پائیں گی جب تک کہ وہ سچے اور انصاف پسند فلسفیوں کی نسل پیدا نہ کریں جو سیاسی عہدے سنبھالیں یا پھر وہ ریاستوں کے حکمرانوں کے کسی خدائی فلسفہ کے تحت، فلسفہ کا سچا راستہ اختیار کرلیں۔

399 قبل مسیح میں، سقراط کی موت کے بعد، افلاطون نے اپنی ذاتی حفاظت اور غیر اطمینانی کے باعث، عارضی طور پر، اٹلی، سسلی اور مصر کے طویل سفر پر جانے کا عہد کیا۔ 388 قبل مسیح میں افلاطون ایتھنز واپس ہوا اور اپنی اکیڈمی قائم کی۔ یہ وہ ادارہ ہے جس کو اولین یورپی درسگاہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس ادارہ میں ایک جامع تعلیمی نصاب مہیا کرایا جاتا تھا۔ جس میں علم نجوم، علم حیاتیات، سیاسی فلسفہ اور علم ریاضی جیسے مضامین شامل تھے۔ اکیڈمی کے دروازہ پر یہ تحریر درج تھی: ''وہ جو علم ریاضی سے ناواقف ہوں انہیں یہاں داخل ہونے کی ضرورت نہیں''۔

افلاطون نے 367 قبل مسیح میں سسلی کا سفر، فلسفہ اور عملی سیاست کو یکجا کرنے کے مواقع فراہم کرنے کی غرض سے کیا تا کہ ساراکوز[22] کے نئے حکمراں ڈائنوسی اس[23] صغیر کو فلسفیانہ حکومت کا فن سکھا سکے۔ اس کا یہ تجربہ ناکام ہو گیا۔ افلاطون نے ساراکوز کے لئے دوسری کوشش 361 قبل مسیح میں کی لیکن دوسری بار بھی اس کو ناکامی حاصل ہوئی۔ افلاطون کی زندگی کے آخری سال، اکیڈمی میں لکچر دینے اور تصنیفات مرتب کرنے میں گزرے 80 سال کی عمر میں، 348 یا 347 قبل مسیح میں، ایتھنز میں اس کا انتقال ہوا۔ اپنی اکیڈمی کا انتظام اس نے اپنے بھتیجہ کی نگرانی میں چھوڑا۔ جس کا نام اسپے سی پس[24] تھا۔

2.2.2 تصانیف

افلاطون کی تمام تصانیف، مکالمہ کی شکل میں تحریر کی گئیں۔ اس کی تصنیف ''قوانین''[25] کے علاوہ تمام تصانیف میں، ہیرو کے کردار میں اس نے اپنے استاد سقراط کو پیش کیا۔ مکالمہ کی طرز کی تحریروں میں فلسفیانہ خیالات کو پیش کیا گیا، بحث کی گئی اور تنقید کی گئی۔ اس سیاق وسباق میں جہاں دو یا دو سے زائد شخص بحث میں شریک ہوتے تھے۔

افلاطون کی تصنیفات کے مجموعہ میں 35 مکالمے اور 13 خطوط شامل ہیں۔ حالاں کہ ان میں سے بعض کے متعلق شکوک وشبہات موجود ہیں طرز تحریر کے اعتبار سے ان مکالموں کو تین ادوار یا عہد میں تقسیم کیا جاسکتا ہے—— ابتدائی، وسطی اور آخری۔ اول الذکر میں، افلاطون نے سقراط کے فلسفہ اور طرز مکالمہ کو پیش کرنے کی کوشش کی۔ لہٰذا ان میں سے بہت سے مکالمے اسی شکل میں موجود ہیں۔ جب سقراط کسی شخص سے بحث کرتا ہے جو بہت کم علم کا دعویدار ہو تو سقراط خود کو ایک لاعلم کی حیثیت میں پیش کرتا ہے۔ اور اس شخص سے علم حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کرتا ہے۔ جب سقراط سوال کرنا شروع کرتا ہے تب یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جو علم کے دعویدار تھے (انصاف کے موضوع پر سیفالس[26]، پولی مارکس[27]، تھرے سی می کس[28]) وہ کچھ بھی علم نہیں رکھتے۔ بالآخر، سقراط ہی سب سے دانش مند شخص کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آتا ہے یقیناً، یہی علم ودانش کی ابتداء ہے مکالمہ کے اس طبقہ میں یہ افراد شامل ہیں—— چارمی ڈس[29] (اعتدال

---

21. ساتواں خط : SEVENTH LETTER

22. ساراکوز : SYRACUSE

23. ڈائنوسی اس : THE. YOUNGER, DINYSIUS

24. اسپے سی پس : SPECESIPPUS

25. قوانین : THE LAWS

26. سیفالس : CEPHALUS

27. پولی مارکس : POLEMARCHUS

28. تھری سی می کس : THRASYMACHUS

29. چارمی ڈس : CHARMIDES

کی تعریف کی ایک کوشش)، لے سِس[30] (دوستی ہر مباحثہ)، لی چیس[31] (حوصلہ کے معنی کی تلاش)، پروٹے گوریس[32] (اس مقالہ کا دفاع کہ صفت ہی علم ہے اور یہ سکھایا جاسکتا ہے)، یوتھی فائرو[33] (رحم دلی کی نوعیت پر غور وفکر) اور ' ' جمہور ' '[34] (انصاف پر مباحثہ)۔

افلاطون کے درمیانی اور آخری دور کے مکالمے اس کی اپنی فلسفیانہ ترقی کا عکس پیش کرتے ہیں۔ ان تصانیف میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے، ان کو زیادہ تر مصنفین افلاطون سے منسوب کرتے ہیں۔ اگر چہ اس کے بہت سے مکالمات میں سقراط بحیثیت ایک اہم کردار کے موجود ہے۔ درمیانی عہد کی تصانیف میں گورگی ایس[35] (بعض اخلاقی امور پر غور وفکر)، می نو[36] (علم کی نوعیت پر ایک مباحثہ)، ' ' اعتذار ' '[37] (ایتھینز کے نوجوانوں کو ورغلانے اور ان کے اخلاق خراب کرنے کے الزامات کے مقدمہ میں سقراط کا دفاع)، کری ٹو[38] (اگر چہ یہ تصنیف نامکمل ہے: سقراط کا ریاستی قانون کے تئیں فرمان برداری کا دفاع)، فے ڈو[39] (سقراط کی موت کا منظر جس میں وہ نظریہ اشکال، روح کی نوعیت اور بقا کے مسئلہ پر بحث کرتا ہے)، سم پوزی ام[40] (افلاطون کی ڈرامائی، شاندار کامیابی جس میں حسن ومحبت پر کچھ تقاریر شامل ہیں) 'جمہور' (افلاطون کا اعلیٰ ترین فلسفیانہ کارنامہ) جو انصاف کی نوعیت پر ایک مفصل بحث ہے)۔

آخری دور کی تصانیف میں جو کچھ شامل ہیں ان میں ' ' مدبر ' '[41]، تھے ٹی ٹس[42] (اس بات سے انکار کہ علم کی شناخت، حِس کی طاقت سے کی جاسکتی ہے) 'پرومی نادیس[43]' (نظریہ اشکال کا تنقیدی محاسبہ) 'سوفسٹ[44]' (نظریہ اشکال نظریہ خیال پر مزید غور وفکر)، فی لی بس[45]، (لطف وخوبی کے باہمی رشتہ پر مباحثہ)، تی می اس[46] (فطری علوم اور علم فلکیات پر افلاطون کے خیالات) اور 'قانون' (معاشرتی اور سیاسی مدعوں پر زیادہ قابلِ عمل تجزیہ)۔

اس تمام تصانیف میں 'جمہور'، جس کو افلاطون نے اپنی زندگی کے ابتداء دور میں بحث ایک مصنف تحریر کیا (386 قبل مسیح) میں اس کی تکمیل کی۔ اسی سال افلاطون نے اپنی اکیڈمی قائم کی۔ 'مدبر' (جو تقریباً 360 قبل مسیح میں تحریر کی گئی) اور قوانین (جو اس کے موت کے بعد 347 قبل مسیح میں شائع ہوئی اور موت سے چند ماہ پہلے ہی مکمل ہوئی) کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ ان میں افلاطون کا مکمل سیاسی فلسفہ شامل ہے۔

ہر نقطۂ نظر سے 'جمہور' افلاطون کی تمام تصانیف میں بہترین تصنیف ہے۔ یہ نہ صرف سیاست پر ایک رسالہ ہے بلکہ انسانی زندگی کے ہر پہلو سے متعلق ایک تصنیف ہے۔ درحقیقت، یہ الٰہیات سے متعلق (نیکی کا تصور)، اخلاقی فلسفہ (انسانی روح کی اہمیت)، تعلیم (حکمرانوں کی سائنسی تربیت جیسا ان کو ہونا چاہیے)، سیاست (مثالی یا عینی ریاست)، فلسفۂ تاریخ (مثالی ریاست سے مطلق العنان ریاست تک تاریخی تبدیلی)، معاشیات (جائداد اور خاندان کی اشتراکیت)۔۔۔ یکجا طور پر 'جمہور' کا تعلق ان سب موضوعات سے ہے۔ جمہور میں دس مقالے شامل ہیں جن کا موضوع کے اعتبار سے، درج ذیل خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

i) پہلا مقالہ انسانی زندگی، انصاف اور اخلاق کی نوعیت سے بحث کرتا ہے

ii) دوسرے سے چوتھے مقالے تک، ریاست کی تنظیم اور نظام تعلیم کو بیان کیا گیا۔ یہاں افلاطون ایک نیک صفت انسان ومثالی معاشرہ کی بنیاد تین اجزاء پر قائم کرتا ہے جو انسانی فطرت میں پائی جاتی ہیں (خواہشِ نفس، روح اور قوتِ فہم وادراک) اور ان کے مطابق مخصوص طبقات جو ایک مثالی ریاست کا حصہ ہوں گے (پیدا کرنے والے، معاون اور حکمراں)۔

iii) پانچویں سے ساتویں مقالے میں مثالی ریاست کی تنظیم کا بیان کرتے ہوئے، ایک ایسے نظام کا حوالہ دیتا ہے جو اشتراکیت (خاندان اور جائداد کی) کی بنیاد پر قائم ہے اور فلسفی حکمراں کی سربراہی پر منحصر ہے۔

iv) آٹھویں اور نویں مقالے میں وہ ہمیں بتاتا ہے کہ جب افراد اور ریاستیں خرابی کا شکار ہوجاتی ہیں تو کیسے بدنظمی اور افراتفری پیدا ہوتی ہے۔

30. لے سِس : LYSIS
31. لی چیس : LEACHES
32. پروٹے گوریس : PROTAGORAS
33. یوتھی فائرو : EUTHYPHRO
34. 'جمہور' : THE REPUBLIC
35. گورگی ایس : GORGIAS
36. می نو : MENO
37. 'اعتذار' : APOLOGY
38. کری ٹو : CRITO
39. فے ڈو : PHAEDO
40. سم پوزی ام : SYMPOSIUM
41. 'مدبر' : STATES MAN
42. تھے ٹی ٹس : THEAETETUS
43. پرومی نادیس : PROMENADES
44. سوفسٹ : SOPHISTS
45. فی لی بس : PHILEBUS
46. تی می اس : TIMAEUS

(۷) دسویں مقالے کے دو حصے ہیں: پہلا حصہ فلسفۂ فن سے متعلق ہے اور دوسرا روح کی صلاحیت سے بحث کرتا ہے۔

’مدبر‘ اور ’قوانین‘، حقیقی ریاستوں اور زمینی حقائق سے زیادہ بحث کرتے ہیں اور ان میں وہ مثالیت اور انتہا پسند تجاویز شامل نہیں ہیں۔ جو ’جمہور‘ میں موجود ’جمہور‘ کا افلاطون ہی وہ افلاطون ہے جس سے دنیا واقف ہے — عینیت پسند، فلسفی اور انتہا پسند۔

2.2.3 طریقۂ کار

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ افلاطون کا طریقۂ کار استخراجی تھا جس کو فلسفیانہ طریقہ بھی کہا جاسکتا ہے اس طریقۂ کار کے تحت فلسفی اپنے نتائج پہلے سے ہی فرض کر لیتا ہے اور پھر ان کو اپنے اردگرد حقیقی حالات میں تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اول، کچھ عام اصول طے کئے جاتے ہیں اور اس کے بعد، ان کو مخصوص صورتِ حال سے مطابقت دی جاتی ہے۔ تحقیق کا استخراجی طریقہ منطقی طریقہ سے متضاد ہے۔ جس میں مطالعہ، مشاہدہ اور حاصل شدہ معلومات کا تجزیہ کرنے کے بعد نتائج اخذ کئے جاتے ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ افلاطون نے اپنے تصور میں جس ریاست کا خاکہ تیار کیا اس کے مخصوص پہلوؤں کو تلاش کرتے ہوئے استخراجی طریقہ اختیار کیا اور قدیم یونانی معاشرہ میں موجود مدنی ریاستوں کے موجودہ حالات میں اس عینی ریاست کو تلاش کرنے کی کوشش کی۔ ظاہر ہے جس چیز کا اس نے تصور کیا وہ چیز اسے حاصل نہ ہوسکی۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے مایوسی محسوس کی (ساتویں خط سے لئے گئے مندرجہ بالا اس کے مقولہ کو دیکھئے)۔

افلاطون کا طریقہ استخراجی ہے جو نہایت اہم پہلو ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بہت سے طریقوں کا امتزاج بھی ہے جو ایک اہم حقیقت ہے۔ اگر کوئی افلاطون کو سمجھنا چاہے تو نیٹل شپ[47] کی رائے ہے کہ افلاطون کا طریقہ منطقی بھی ہے کیونکہ وہ نظریہ کو عمل سے جوڑتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنی سیاسی فکر کے اظہار کے لئے، افلاطون نے مختلف طریقے استعمال کئے۔

افلاطون کا طریقۂ کار، مناظری منطق پر بھی شامل ہے کیونکہ قدیم یونانیوں کی مناظرے کی روایت پائی جاتی ہے۔ سقراط نے اپنے رقیبوں کی خیالات کا جواب دینے میں خود ان کے خیالات کی کمزوریوں کو اجاگر کیا جس میں مناظری منطق کا طریقہ استعمال کیا۔ اپنے استاد سقراط کی پیروی کرتے ہوئے، افلاطون نے نیکی کے تصور کی تلاش اور اس تک کیسے پہونچا جاسکتا ہے، اس طریقہ کا استعمال کیا۔ اس عمل کے دوران وہ علم اس قدر مہیا نہیں کررہا تھا جس قدر کہ یہ بیان کرنے کی کوشش کررہا تھا کہ لوگ خود اس کو کس طرح حاصل کرتے ہیں۔ مناظرہ بحث کے اس طریقہ کی پیروی کرتے ہوئے، افلاطون نے بہت سے افراد کے خیالات پر مباحثہ کیا ہر ایک خیال کا محاسبہ کیا اور بالآخر نتائج پر پہونچا۔ افلاطون کا نظریہ انصاف، بحث مباحثہ کا نتیجہ تھا جو کئی کرداروں کے درمیان واقع ہوا جیسے سیفالس، پولی مارکس، تھرے سی می کس، گلوکون اور ایڈی مین ٹس[48] — انصاف کے حقیقی معنی تک پہونچنے کا منطقی طریقہ۔

افلاطون کا طریقۂ کار، اِس حد تک تجزیاتی ہے کہ وہ ایک نظریہ کو کئی ممکنہ حصوں میں تقسیم کرتا ہے، ہر حصہ کا پوری طرح سے تجزیہ کرتا ہے اور اس کے بعد ان سب سے ماخذ نتائج کا ایک دوسرے سے تانہ بانہ بُنتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ افلاطون کا دماغ، تجزیاتی ہے جب وہ انسانی فطرت کے اجزاء پر بات کرتا ہے: نفسانی خواہش، حوصلہ اور فہم وادراک۔ وہ ان اجزاء کو سیاست میں تلاش کرتا ہے۔ نفسانی خواہش کو پیداواری طبقہ میں، حوصلہ کو فوجی طبقہ، میں اور فہم وادراک کو حکمراں طبقہ میں تلاش کرتا ہے۔ اس طرح یہ بیان ہوتا ہے کہ ایک مثالی ریاست میں پیداوار طبقہ (جو مادی بنیاد فراہم کرتے ہیں): فوجی (جو دماغی بنیاد فراہم کرتا ہے) اور حکمراں (جو فہم وادراک کی بنیاد فراہم کرتے ہیں) مناسب فراہمی، مناسب دفاع اور مناسب سربراہی، ”جیسا کہ سی۔ ایل وے پر[49] ان کو قرار دیتا ہے۔

افلاطون نے اپنے تفکر میں، غایاتی طریقہ کا بھی استعمال کیا۔ علمِ غایات[50] کے معنی ہیں ”وہ چیز جس کا کوئی مقصد ہوتا ہے“۔ اس سے مراد ہے کہ ہر نظریہ، خود اپنے لئے قائم ہوتا ہے اور اپنے مقصد کی جانب گامزن رہتا ہے۔ افلاطون کا غایاتی طریقہ اس کے نظریۂ اشکال میں دیکھا جاسکتا ہے۔ افلاطون کو یقین تھا کہ جو دکھائی دیتا ہے وہ ایک سایہ ہے، اس چیز کا جو ہوسکتی ہے۔ سب سے بہتر چیز جو ہم دیکھ سکتے ہیں وہ شکل ہے۔ حقیقت شکل اختیار کرسکتی ہے۔

کسی بھی نظریہ کے تجزیہ کے لئے استخراجی طریقہ استعمال کرنے اور پھر اپنا فلسفہ پیش کرنے کے لئے افلاطون مقبول ہے۔ استخراجی طریقہ استعمال کرتے ہوئے، اس کے اپنے پہلے سے مفروضہ نتائج ہوتے تھے اور ان کی بنیاد پر افلاطون نے اپنی مثالی ریاست کی تعمیر کی — یہ بیان کرتے ہوئے کہ اس کی تنظیم کیسے ہوگی اور اس میں کیا خصوصیات ہوں گی۔ ’جمہور‘ کچھ نہیں ہے محض اس کے استخراجی طریقہ کی تخلیق ہے۔

---

47. نیٹل شپ : NETTLESHIP
48. ایڈی مین ٹس : ADEIMANTUS
49. سی۔ ایل۔ وے پر : C.L. WAYPER
50. علم غایات : TELEOLOGY

IIC LIBRARY

افلاطون نے اپنے فلسفہ میں استقرائی یا تمثیلی طریقہ بھی استعمال کیا۔اس کے معنی ہیں استدلال کی وہ شکل جس میں یکسانیت کی بنا پر ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ دلیل کے بنا پر ظاہر کیا جاتا ہے افلاطون کے یہاں استقرائی یا تمثیلی مطالعہ کا واضح طریقہ موجود ہے۔ یہ وہ طریقہ ہے جو سقراط نے فنون کی اصلیت تک پہونچنے کے لئے استعمال کیا۔افلاطون نے ان حقیقتوں کو مادی دنیا میں تلاش کیا اپنی مثالی ریاست کے پیداواری طبقہ کے لئے، افلاطون نے ''انسانی گلہ''، ''تانبہ'' یا ''جست'' کی تمثیلات کا استعمال کیا۔فوجیوں اور سپاہیوں کے لئے ''پہرے دار'' اور حکمراں کے لئے ''گلہ بان'' اور ''سونے'' کی تمثیلات کا استعمال کیا۔اس طرح کی تمثیلات افلاطون کے یہاں عام ہیں۔

افلاطون نے تاریخی طریقہ بھی استعمال کیا۔اسکی تصانیف 'مدبر' اور ''قوانین'، تاریخی طریقہ سے تحریر کی گئیں جس میں اس نے بہت سی ریاستوں کے تاریخی ارتقاء کی تلاش کی۔'جمہور' میں بھی افلاطون نے تاریخ سے اپنی نظر نہیں ہٹائی اس وقت موجود تمام مدنی ریاستوں میں پھیلی برائیوں کا حل اسے تاریخ میں نظر آیا مزید یہ کہ 'جمہور' جیسا کہ بارکر کا قول ہے، ''نہ صرف ابتدائی اصولوں سے اخراج ہے بلکہ یونانی زندگی کے حقائق کا ثبوت ہے''، جس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ اس وقت کے حقیقی حالات پر مبنی ہے۔

Philosophical Foundations of Plato's Political Theory

2.3 افلاطون کے سیاسی فلسفہ کی فلسفیانہ بنیادیں

2.3.1 سقراطی بنیاد

افلاطون پر سقراطی اثر، مقبول عام ہے۔ پروفیسر میک سی[51] (سیاسی فلسفے، 1961) تحریر کرتا ہے: **''افلاطون میں سقراط نے دوبارہ زندگی گزاری''**۔ وہ ہیرو جس کا کوئی رقیب یا ثانی نہ تھا اس کی بے مثال منطق، تابناک رمز و کنایہ اور نہایت اعلیٰ دانش مندی، افلاطون کی تصانیف پر حاوی تھی۔ وہ محض گوشت پوست کا انسان نہیں تھا بلکہ دیوتا کی حیثیت میں سقراط تھا جس نے نہ صرف وہ کہا جو سقراط کی حقیقی زبان رہی ہوگی بلکہ افلاطون جواب دہی کے تصور میں سقراط نے جو کہا ہوگا اور خود افلاطون نے کیا جواب دیا ہوگا، وہ بھی افلاطون کی تصنیف میں موجود ہے۔ اس تصانیف میں جس سقراط کا انتساب ہے، وہ کس حد تک سقراطی ہے اور کس حد تک وہ خود افلاطون کا بیان ہے، یہ کہنا مشکل ہے لیکن ایک بات یقینی ہے اور وہ یہ کہ، افلاطون کی دانش مندی، سقراط کے اثر سے کم نہیں۔''

ایسا کوئی دور نہیں تھا جب سقراط کا تصور، افلاطون نے ذہن سے نکالا ہو۔ افلاطون نے خود کو کبھی بھی اپنے استاد کے بغیر مکمل نہیں سمجھا۔ اس نے فخریہ انداز میں تحریر کیا: ''میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میں یونان میں پیدا ہوا اور ایک وحشی نہیں ہوں، ایک آزاد انسان ہوں غلام نہیں ہوں، میں ایک مرد ہوں عورت نہیں ہوں۔ سب سے اہم بات یہ کہ میں سقراط کے عہد میں پیدا ہوا۔''

جارج سے بائن[52] میں ٹھیک ہی کہا ہے (سیاسی نظریہ کی تاریخ، 1973) 'جمہور' کا بنیادی خیال، افلاطون کے ذہن میں، اپنے استاد کے نظریہ کی شکل میں آیا کہ خوبی علم ہے''۔ سے بائن، افلاطون کے متعلق تحریر کرتا ہے: ''یہ مفروضہ کہ خوبی علم ہے، کے معنی یہ ہیں کہ یہ ایک ایسی چیز ہے جس کا علم ہونا چاہیے اور یہ کہ، حقیقت میں اس کا علم عقل یا بادلیل تحقیق سے حاصل ہو سکتا ہے، کسی اندرونی صلاحیت، اندازہ یا قسمت سے نہیں۔ خوبی بھی حقیقت ہے خواہ اس کے متعلق کوئی کچھ بھی سوچے۔ اس کو محض اسلئے حاصل نہیں کیا جانا چاہیے کہ لوگ اس کا حاصل کرنا چاہتے ہیں بلکہ اس وجہ سے کہ یہی اچھائی ہے'' افلاطون کے اپنے استاد کے نظریہ۔ یہی علم ہے۔ کو اپنے فلسفہ میں مقام اول عطا کیا۔ اپنے استاد کی طرح افلاطون کو بھی پختہ یقین تھا کہ خوبی، علم کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے۔ اپنے استاد ہی کی طرح اس کو اعتقاد تھا کہ انسانی فطرت کے چار اجزاء ہوتے ہیں: فہم دانش، حوصلہ، مزاج اور انصاف۔ ان کے ذریعہ انسان خوبی حاصل کر سکتا ہے جو انسان کو اپنا مقصد حاصل کرنے کے قابل بناتی ہے۔ یہ انسان کو حوصلہ بخشتی ہے۔

سقراط سے افلاطون نے یہ سیکھا کہ حکمراں ایک طبیب یا معالج کی مانند، ہنر مند کی حیثیت رکھتا ہے۔ انتظام اس حد تک ایک فن ہے۔ اپنے استاد سقراط سے سبق حاصل کرتے ہوئے افلاطون نے اس بات پر زور دیا کہ حکمراں وہ ہونا چاہئے جو انتظام کا علم و فن بخوبی جانتا ہو۔ سقراط کہا کرتا تھا: عوام بیمار ہیں، ہمیں اپنے حکمرانوں کا علاج کرنا چاہئے۔''

---

51. میک سی : PROF MAXE : POLITICAL PHILOSOPHIES,1961

52. جارج سے بائن : GEORGE SABINE: A HISTORY OF POLITICAL THEORY, 1973

افلاطون کے ہر جملہ میں، سقراط کا نقش واضح دکھائی دیتا ہے جو اس کے شاگرد نے تحریر کیا۔ سقراط افلاطون کا ہیرو تھا۔ وہ کردار جس کی زبان سے افلاطون اپنے اور اپنے استاد کے لئے بات کرتا تھا۔ افلاطون کی اکثر تحریروں میں سقراط کو ہر جگہ دیکھا جا سکتا ہے۔ خاص طور پر 'جمہور' میں۔ آخر میں سے بائن کے مقولہ پر بات ختم کی جاسکتی ہے: ''یہ کہنا نہایت درست ہوگا کہ 'جمہور' میں جن سیاسی اصولوں کا ارتقاء ہوا، وہ کافی حد تک سقراط کے اصول تھے جن کو افلاطون نے براہ راست سقراط سے سیکھا تھا۔ بہر حال 'جمہور' کا عقل پر مبنی سانچہ، ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ حکمراں کی شکل میں، نجات حاصل کرنے کے لئے رغبت کی حیثیت رکھتا تھا۔ جو یقیناً سقراط کے اثبات جرم کی تشریح ہے کہ خوبی ہی علم ہے، اس سے سیاسی خوبی کو علیحدہ نہیں کیا گیا ہے''۔

2.3.2 نظریہ خیالات

اشکال یا خیالات کا نظریہ، افلاطون کے فلسفہ کا مرکز ہے۔ علم، علمِ نفسیات، علمِ اخلاقیات اور ریاست پر اس کے خیالات کو اسی نظریہ کی روشنی میں سمجھا جا سکتا ہے۔ اشکال یا خیالات کا نظریہ، یونانی لفظ ''Edios'' سے اخذ کیا گیا ہے جو اس کے نظریہ علم سے اس قدر مربوط ہے کہ دونوں کو ایک ساتھ سمجھا جا سکتا ہے سقراط کی پیروی کرتے ہوئے، علم یقینی ہے اور لازوال ہے، دوئم، اس کو جو بظاہر نظر آتا ہے اس سے مربوط کیا جاتا ہے۔ (سقراط کی پیروی کرتے ہوئے) افلاطون کو یقین ہے کہ علم متعین ہے، مستقل ہے اور ناقابل تبدیل ہے جس کی شناخت ایک مثالی دائرہ کی حیثیت سے کی جاسکتی ہے۔ اس کے متضاد، ظاہری دنیا جیسی دکھائی دیتی ہے، ویسی ہی ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں، 'شکل'، 'خیال'، 'علم'— سب اس کی تشکیل کرتے ہیں جو مثالی ہیں۔ آنکھوں کو جو نظر آتا ہے وہ حقیقی ہے۔ اس طرح جو خیال مثالی ہے اور وہ جو حقیقی ہے، خیال کیا ہے، کیا ہو سکتا ہے اور کیا ہو رہا ہے ان کے درمیان بھی فرق ہے۔

اشکال یا علم یا خیال کا افلاطونی نظریہ، اس کی تصنیف 'جمہور' میں ملتا ہے۔ جہاں وہ غار کی تقسیم کرنے والی سطر اور اس کے قصہ پر بحث کرتا ہے۔ اول الذکر میں، افلاطون معلومات کی دو سطحوں کے درمیان امتیاز کرتا ہے۔ خیال اور علم— جسمانی یا ظاہری دنیا سے متعلق دعوے یا مفروضے ہیں، خیال ہیں۔ دوسری سطح پر، اعلیٰ سطح کی معلومات وہ علم ہے جو عقل پر مبنی ہے۔

افلاطون نے غار کا جو قصہ بیان کیا ہے اس میں کچھ افراد کا ذکر ہے جن کو گہرے غار میں زنجیروں سے قید کیا گیا جہاں دیکھنے کی طاقت محدود ہے اور کوئی بھی دوسرے آدمی کو نہیں دیکھ سکتا۔ ایک چیز جو دکھائی دیتی ہے وہ غار کی دیوار ہے۔ ان افراد میں سے ایک زنجیر توڑ کر غار سے فرار ہوتا ہے اور دن کی روشنی دیکھتا ہے۔ سورج کی مدد سے وہ شخص پہلی بار حقیقی دنیا دیکھتا ہے۔ اپنے ساتھیوں کو بتاتا ہے کہ اب تک جو کچھ انہوں نے دیکھا وہ صرف سایہ ہے اور ظاہر چیزیں ہیں۔ لیکن باہر ایک حقیقی دنیا کا انتظار کر رہی ہے اگر ان میں خود آزاد کرنے کی جدوجہد کا جذبہ ہے تو۔

افلاطون کے نظریہ اشکال کی مندرجہ ذیل اہم خصوصیات ہیں: (ا) شکل، خیال، علم، ظاہری شکل۔ 'حقیقی' یا 'خیالی' میں اتنا ہی فرق ہے کہ جتنا خیالی، دکھائی دینے والی دنیا اور جسمانی یا دکھائی دینے والی دنیا میں فرق ہے۔ (ب) کسی چیز کا مکمل اظہار— شکل ہے۔ (ج) حقیقی دنیا، خیالی دنیا کو حاصل کر سکتی ہے۔ (د) علم خیال کی جگہ لے سکتا ہے اور قابل حصول ہے۔ (ہ) نظر آنے والی دنیا، حقیقی دنیا کا عکس ہے (و) جو نظر آتا ہے وہ شکل نہیں ہے، وہ ایک شکل کی شکل ہے۔

افلاطون نے واضح کیا کہ خوبصورت چیزوں اور خوبصورتی میں فرق ہے۔ اول الذکر، خیال کے دائرہ میں آتا ہے جب کہ دوسرا، علم کے دائرہ میں آتا ہے۔ جو بات زیادہ اہم ہے وہ افلاطون کا اصرار ہے کہ ظاہری صورت سے شکل تک کا سفر، کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔

افلاطون نے اشکال کا، ایک موروثی ترتیب میں قیاس کیا تھا۔ اعلیٰ ترین شکل— اچھائی کی شکل ہے۔ جیسے غار کے قصہ میں سورج، دوسرے تمام خیالات کو روشنی میں بخشتا ہے۔ اچھائی یا نیکی کی دوسری شکل (نیکی کا تصور)— افلاطون اچھائی یا نیکی حاصل کرنے کی سمت میں تحریک کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس طریقہ سے افلاطون نے اشکال کا جو نظریہ پیش کیا اس کے درپردہ یہ ارادہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ تفصیل بیان کی جائے کہ معلومات کیسے حاصل ہوتی ہے اور چیزیں کس طرح اپنی شکل میں آتی ہیں۔ اور یہ بھی کہ کس طرح اپنے خیالی مقاصد حاصل کر سکتے ہیں۔

افلاطون کا نظریہ اشکال، اس کے اس عقیدہ سے مربوط ہے کہ خوبی یا نیکی علم ہے۔ افلاطون کے مطابق، خوبی یا نیکی کا تصور، علم کا تصور ہے۔ خوبی کا آخری مقصد علم حاصل کرتا ہے۔ علم کی ترین سطح— خوبی یا نیکی کا علم ہے۔ علم قابل حصول ہے اور اسی طرح خوبی بھی قابل حصول ہے۔

افلاطون کا نظریہ اشکال، اِس کے سیاسی نظریہ میں توسیع حاصل کرتا ہے افلاطون جس قسم کے حکمراں تلاش کرنا چاہتا تھا وہ ایسے ہونے چاہیئے تھے کہ جن کے پاس حکمرانی کا علم ہو جب تک اقتدار ان کے ہاتھوں میں رہے گا جن کے پاس علم ہے (یعنی فلسفی حکمراں)، ریاستوں میں امن قائم رہے گا۔ ایسا افلاطون نے سوچا تھا۔

ONAL MEDIA CENTRE LIBR
MA-058
03.08.2015

2.4 افلاطون کا سیاسی فلسفہ Political Philosophy of Plato

2.4.1 نظریہ انصاف

افلاطون کے خیال میں، انصاف محض قانون کی پیروی پر مشتمل نہیں ہے بلکہ انسانی روح کی اندورونی فطرت پر مبنی ہے۔ یہ کمزور پر طاقت ور کی فتح بھی نہیں ہے کیونکہ یہ طاقت ور کے خلاف کمزور کی حفاظت کرتا ہے۔ افلاطون کی دلیل کے مطابق، ایک انصاف پسند ریاست، سب کی بھلائی کے مدنظر، حاصل کی جاسکتی ہے۔ ایک انصاف پسند معاشرہ میں حکمراں، فوج، دست کار سب وہی کرتے ہیں جو انہیں کرنا چاہئے۔ ایسے معاشرہ میں حکمراں، دانش مند ہوتے ہیں، سپاہی، بہادر ہوتے ہیں اور محنت کش اعتدال پسند یا ضبطِ نفس پر عمل کرتے ہیں۔

افلاطون کی تصنیف 'جمہور' کا ''مرکزی نکتہ—انصاف ہے۔ اس کا ایک ذیلی عنوان ''انصاف سے متعلق'' ہے۔ افلاطون کے نزدیک، انصاف ایک اخلاقی نظریہ ہے۔'' بارکر کا قول ہے: افلاطون کے یہاں، انصاف، انسانی نیکی کا ایک حصہ ہے اور یہ وہ رشتہ ہے جو ریاستوں کے افراد کو باہم مربوط رکھتا ہے۔ یہ انسان کو نیک بناتا ہے اور اس کو معاشرتی بناتا ہے۔'' تقریباً ایسی ہی رائے، سے بائن نے ظاہر کی ہے۔ وہ کہتا ہے: ''انصاف (افلاطون کے خیال میں) ایک رشتہ ہے جو ایک معاشرہ کو باہم مربوط رکھتا ہے''۔

لفظ 'انصاف'۔ یونانی زبان میں مستعمل لفظ 'Dikaiosyne' سے مشابہت رکھتا ہے۔ یہ لفظ 'انصاف' سے بھی زیادہ جامع معنی کا حامل ہے۔ 'Dikaiosyne' کے معنی ہے 'عادل'، 'راست باز'— یہی وجہ ہے کہ افلاطون کا نظریہ انصاف، قانونی یا عدالتی تسلیم نہیں کیا جاتا۔ نہ ہی یہ ''حقوق وفرائض'' کے دائرہ میں آتا ہے۔ یہ قانون کی حدود میں بھی نہیں آتا ہے۔ اس حیثیت سے یہ معاشرتی اخلاقیات سے متعلق ہے۔ افلاطون کے نظریہ کی اہم خصوصیات کو درج ذیل طریقہ سے بیان کیا جاسکتا ہے۔ (i) انصاف، 'راست بازی' کا دوسرا نام ہے۔ (ii) حقوق سے مستفید ہونے سے زیادہ یہ فرائض کی ادائیگی ہے۔ (iii) یہ فرد کی اپنی صلاحیتوں، قابلیتوں اور اہلیتوں کے مطابق معاشرہ کے لئے معاونت کا نام ہے (iv) (یہ معاشرتی نظام کا جال شامل) یہ معاشرتی اخلاق ہے، انسانی فرض ہے۔ (v) یہ معاشرتی تانہ بانہ کی قوت ہے کیونکہ اس میں معاشرتی نظام کا تانہ بانہ شامل ہے۔

سقراط کے ذریعہ ان خیالات کے بیان سے پہلے، افلاطون نے اس وقت موجود نظریاتِ انصاف کی تردید کی۔ اس نے باپ۔ بیٹے (سیفالس۔ پولی مارکس) کے روایتی اخلاق کے نظریہ انصاف کو رد کیا (جس کے معنی تھی) ہر شخص پر جو کرنا واجب ہے وہ ادا کر دینا۔ دوسرے الفاظ میں ''دوسروں کے لئے وہ کرنا جو مناسب ہے، (سیفالس) یا ''احباب کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور دشمنوں کو نقصان پہونچانا'' (پولی مارکس) افلاطون نے روایتی نظریہ انصاف کی اہمیت کو تسلیم کیا جو انسان کو وہ کرنے پر مجبور کرتی ہے جو اس پر فرض ہے، یا انصاف بحیثیت اتحاد پیدا کرنے والے نظریہ کے۔ لیکن اس نے بعض کے لئے اچھا اور بعض کے لئے بُرا کرنے کو انصاف تسلیم نہیں کیا۔ افلاطون کا ماننا تھا کہ انصاف سب کے لئے اچھا ہوتا ہے— دینے والا اور لینے والا بھی، دوستوں کے لئے بھی، دشمنوں کے لئے بھی۔

افلاطون نے تھرے سی می کس کے انتہا پسند نظریہ انصاف کو بھی رد کر دیا جس کے مطابق، انصاف ہمیشہ طاقت ور کے مفاد میں ہوتا ہے۔ اس نے تھرے سی می کس کے نظریہ سے اس حد تک اتفاق کیا کہ حکمراں، جو فن حکمت کا علم رکھتا ہے، تمام اختیارات کا مالک ہوتا ہے۔ لیکن اس بات سے اتفاق نہیں کیا کہ حکمراں خود اپنے مفاد میں حکمرانی کرتا ہے۔ سقراط کے ذریعہ افلاطون نے دلیل پیش کی کہ جوتا بنانے والا ایک شخص اپنے بنائے ہوئے تمام جوتے نہیں پہنتا، کسان اپنی تمام پیداوار کو خوراک نہیں بناتا، اسی طرح حکمراں تمام قوانین اپنے مفاد کے لئے نہیں بناتا۔ افلاطون نے تھرے سی می کس سے اتفاق کیا کہ انصاف ایک فن ہے اور جو اس فن کو جانتا ہے، وہ فنکار ہے اور کوئی نہیں۔

اور پھر، انصاف کا ایک اور نظریہ جس کی دو بھائیوں کے ذریعہ وکالت کی جاتی ہے— گلوکون اور ایڈی مین ڈس۔ جو خود افلاطون کے بھائی تھے۔ ان

کا نظریہ، روایتی انصاف کا نظریہ ہے۔ اور اس نظریہ سے افلاطون کا استاد سقراط اتفاق کرتا ہے۔ گلوکون کا خیال تھا کہ انصاف، کمزور کے حق میں ہوتا ہے (تھرے سی می کس کے نظریہ کے برعکس، کہ یہ طاقت ور کے مفاد میں ہوتا ہے) اور یہ کہ دستور اور رواجوں کی حد تک یہ مصنوعی ہے۔ گلوکون کہتا ہے: ''لوگ ناانصافی سے آزادنہ اور بغیر کی حد بندی کے تکلیف نہیں اٹھاتے لیکن جس قدر ان کو تکلیف ہوتی ہے اس سے زیادہ ناانصافی برداشت کرتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ عہد کرتے ہیں کہ نہ تو وہ ایک دوسرے کے ساتھ ناانصافی کریں گے اور نہ ہی اس کو برداشت کریں گے تاکہ دوسرے لوگ ناانصافی کرتے رہیں، اور معاہدہ کی پیروی میں، وہ قانون بناتے ہیں جس کی دفعات بعد میں، عملی معیار اور انصاف کے قوانین وضوابط ہوں گے'' افلاطون نے گلوکون کے نظریہ میں بعض حدود کا مشاہدہ کیا اور انصاف کو فطری اور عالمگیر قرار دیا۔ اس کے مقابل جس نے انصاف کو، دستور اور رواجوں کی ''مصنوعی پیداوار'' قرار دیا تھا۔

افلاطون کا اپنا نظریہ، سیفالس، پولی مارکس، تھرے سی می کس، گلوکون، ایڈی مین ٹس اور سقراط جیسے کرداروں کے درمیان ہونے والی بحث کے سلسلہ کو روکتا ہے۔ جس کو درج ذیل طریقہ سے بیان کیا جاسکتا ہے:

1) انصاف اور کچھ نہیں محض ایک اصول ہے کہ ہر شخص وہ کام کرے جس کی وہ قدرتی صلاحیت رکھتا ہے۔ ہر کوئی اپنے اور عام مفاد کے لئے کام کرے۔

2) انصاف کے معنی ہیں۔ خصوصی مہارت اور افضلیت:

3) انصاف لوگوں کو معاشرہ میں زندگی گزارنے میں مدد کرتا ہے، ایک تعلق ہے جو معاشرہ کو مربوط رکھتا ہے، طبقات اور افراد کو ریاست کے ساتھ ہم آہنگ اتحاد عطا کرتا ہے، یہ ایک رشتہ ہے جو افراد، طبقات اور ریاست کو ایک سانچہ میں ڈھال دیتا ہے۔

4) انصاف ــــ 'عوامی' اور 'نجی' دونوں قسم کی نیکی اور خوبی ہے۔ اس کا مقصد ہے: فرد (نجی) اور پورہ معاشرہ (عوامی) کی بہترین فلاح۔

افلاطون کا نظریہ انصاف، تقسیم محنت، مہارت خصوصی اور کارکردگی کی جانب رہنمائی کرتا ہے۔ لہٰذا، مہارت خصوصی، اتحاد، عدم دخل اندازی اور یگانگت کا اصول ہے۔ اس کے نظریہ انصاف کے معنی ہیں ــــ معاشرتی نیکی، عوامی اور نجی اخلاقیات اور ایک اخلاقی فرمان۔ اس کے باوجود افلاطون کا نظریہ انصاف اس معنی میں مطلق العنان حیثیت رکھتا ہے کہ یہ فرد کو ریاست کا تابع کرتا ہے۔

2.4.2 منصوبہ تعلیم

افلاطون کی 'جمہوری' حکومت پر محض ایک مضمون نہیں ہے۔ یہ، جیسا کہ ارسطو ہمیں معلومات فراہم کرتا ہے، تعلیم پر ایک رسالہ ہے، اس کا پورا فلسفہ 'جمہور' میں پیش کیا گیا جس کی روح قدیم یونانی معاشرہ کی (سیاسی، معاشی، معاشرتی کے ساتھ ساتھ اخلاقی، ذہنی، تہذیبی) اصلاحات میں پوشیدہ ہے۔ 'جمہور' کا مقصد، انصاف کی تلاش اور اپنی مثالی ریاست میں انصاف قائم کرنا ہے۔ یہی اس کے منصوبہ تعلیم کا عین مقصد تھا۔ افلاطون کے خیال میں، معاشرتی انصاف حاصل کرنے کا ذریعہ معاشرتی تعلیم ہے۔ لہذا، یہ کہنا درست ہے کہ افلاطون کے خیال میں تمام معرکتہ الآرا مسائل کا حل، تعلیم میں ہے۔ جیسا کہ کلوسٹیٹ[53] کا قول ہے ــــ ''تعلیم اخلاقی اصلاحات کے لئے ایک اوزار ہے''۔

افلاطون کا منصوبہ تعلیم، ہر بُرائی کو جڑ سے مٹانے کی ایک کوشش ہے۔ یہ ذہنی دوا کے ذریعہ ذہنی خرابی کا علاج ہے۔ بارکر نے درست ہی کہا ہے کہ افلاطون کا منصوبہ تعلیم اس ماحول میں روح پھونکتا ہے جو اپنے ارتقاء کے ہر ترقی کے لئے نہایت موزون ہے۔

افلاطون کا منصوبہ تعلیم اس کے سیاسی نظریہ میں اہمیت کا حامل ہے۔ یہ اس قدر اہم ہے کہ انصاف حاصل کرنے کے لئے مثالی ریاست کی بنیاد اسی پر رکھی گئی ہے۔ اپنے استاد کی پیروی کرتے ہوئے افلاطون کو اس مقولہ میں پختہ یقین تھا کہ خوبی علم ہے اور لوگوں کو نیک اور باخوبی بنانے کے لئے اس نے تعلیم کو ایک طاقت ور اوزار کی شکل دی۔ افلاطون کو یہ بھی یقین تھا کہ تعلیم ہی انسان کے کردار کی تعمیر کرتی ہے۔ لہذا اس کی شخصیت کی تعمیر کے لئے انسان کی فطری صلاحیتوں کو اجاگر کرنا بے حد ضروری ہے۔ افلاطون کے خیال میں تعلیم نجی ادارہ کی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ یہ عوامی حیثیت کی حامل ہے کیونکہ یہ معاشرتی بیماریوں کی اخلاقی تشخیص کرتی ہے۔ افلاطون کی حمایت میں بولتے ہوئے، بارکر کہتا ہے کہ تعلیم معاشرتی راست بازی کی راہ ہے، معاشرتی کامیابی کی نہیں۔ یہ حقیقت تک پہونچنے کا را ہ ہے۔ افلاطون نے زور دیا کہ معاشرہ کے تمام طبقات کے لئے ضروری ہے، خاص طور سے ان لوگوں کے

53. کلوسٹیٹ : KLOWSTEIT

لئے جو عوام پر حکمرانی کرتے ہیں کیوں کہ ان کی تعلیم فلسفیوں کی حیثیت سے ہوتی ہے۔ جیسا کہ بار کر وضاحت کرتا ہے، فلسفیوں کی حکمرانی اس تعلیم کا نتیجہ ہوتا ہے جو وہ حاصل کرتے ہیں۔

افلاطون اپنے 'مجوزہ' منصوبۂ تعلیم میں بعض مفروضات تسلیم کرتا ہے: (i) روح، ابتدائی اور فعال ہونے کی وجہ سے تعلیم کے ذریعہ پوشیدہ صلاحیتوں کو باہر نکالتی ہے۔ (ii) نشو و نما پاتے ہوئے نوجواں کے کردار کو تعلیم ایک سانچہ میں ڈھال دیتی ہے۔ یہ نابینا کو آنکھیں عطا نہیں کرتی بلکہ بینائی رکھنے والوں کو بصیرت دیتی ہے، روشنی کے حلقوں میں روح پھونک دیتی ہے۔ یہ انسان کو فعال، مزید فعال بناتی ہے۔ (iii) تعلیم کا ہر مرحلہ پہلے سے طے شدہ ایک مقصد رکھتا ہے۔ ابتدائی تعلیم افراد کی صلاحیتوں کو سمت عطا کرتی ہے۔ درمیانی مرحلہ کی تعلیم انسان کو اپنے ماحول کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے اور اعلیٰ تعلیم افراد کو اپنی تعلیم کے لئے تیار ہونے، فیصلہ کرنے اور ماحول کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے (iv) تعلیم انسان کو روزگار حاصل کرنے میں مدد دیتی ہے اور ان کو بہتر انسان بننے میں مدد دیتی ہے۔

افلاطون تعلیم کو ایک پیشہ ورانہ شعبہ نہیں بنانا چاہتا۔ جیسا کہ سے بائن ہمیں بتاتا ہے — وہ چاہتا ہے کہ تعلیم ضروری ذرائع فراہم کرے اور اس بات کا ضرور خیال رکھے کہ شہریوں کو وہ تعلیم حاصل ہو جس کی انہیں ضرورت ہے اور اس بات کی بھی یقین دہانی کرانے کہ مہیا کردہ تعلیم — ریاست کی فلاح اور ہم آہنگی کے مطابق ہو۔ جیسے سے بائن کہتا ہے: ''افلاطون کا منصوبہ کسی ریاست کے ذریعہ منظّم شدہ ضروری نظام تعلیم ہے جس میں بیس سال کی عمر تک تمام نوجوانوں کی تربیت اور فوجی تربیت کا منصوبہ شامل ہے دونوں اجناس سے منتخبہ اشخاص کے لئے اعلیٰ تعلیم کا منصوبہ ہے جو دونوں حکمراں طبقات سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ تعلیم بیس سے پینتیس سال تک محیط ہے۔''

افلاطون کے منصوبۂ تعلیم میں ایتھینز اور اسپارٹا — دونوں کے اثرات موجود تھے۔ سے بائن تحریر کرتا ہے: ''اس کا خالص اور سچا اسپارٹن اثر — تعلیم کا شہری تربیت کے لئے وقف ہونا ہے۔ اس کا متن قطعی ایتھینز کا تھا۔ اس کے مقصد پر اخلاقی اور ذہنی سعی حاوی تھی''۔ ابتدائی تعلیم کا نصاب دو حصوں پر منقسم تھا — جسمانی تربیت کے لئے جمناسٹک اور ذہن کی تربیت کے لئے موسیقی۔ تینوں طبقات کے لئے ابتدائی تعلیم ضروری تھی لیکن بیس سال کی عمر کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے جن اشخاص کا انتخاب ہوگا وہ حکمراں طبقہ میں شامل ہوں گے اور ان کی عمر بیس سے 35 سال کے درمیان ہوگی۔ حکمراں طبقہ — دو طبقات پر مشتمل ہوگا معاون اور فلسفی۔ ان دونوں طبقات کو جمناسٹک اور موسیقی کی مزید تعلیم دی جائے گی جس کو خوراک کا نام دیا گیا ہے۔ معاون طبقہ کے لئے جمناسٹک زیادہ اور فلسفی حکمراں کے لئے زیادہ موسیقی۔ دونوں طبقات کی اعلیٰ تعلیم کا مقصد پیشہ ورانہ تھا اور اس کے نصاب کے لئے افلاطون نے سائنسی مضامین کا انتخاب کیا — علمِ ریاضی، علمِ نجوم اور منطق — قبل اس کے کہ دونوں طبقات اپنی اپنی ذمہ داریاں سنبھالیں، افلاطون نے تجویز پیش کی کہ پچاس سال کی عمر تک مزید تعلیم دی جائے جو زیادہ تر عملی نوعیت کی ہو۔

آخر میں افلاطون کے منصوبۂ تعلیم کے خصوصی پہلوؤں کی شناخت ہم اس طرح کر سکتے ہیں: (i) اس کا منصوبہ تعلیم حکمراں طبقہ کے لئے تھا یعنی معاون اور فلسفی حکمراں۔ اس نے پیداواری طبقہ کو یکسر نظر انداز کر دیا (ii) اس کا پورا منصوبۂ تعلیم ریاست کے زیر اختیار تھا (iii) اس کا مقصد انسانی شخصیت کا جسمانی، ذہنی اور اخلاقی فروغ حاصل کرنا تھا۔ (iv) اس کے تین مراحل تھے: ابتدائی 20-6 سال کے عمر کے درمیان، اعلیٰ 35-20 سال کی عمر کے درمیان اور عملی 50-35 سال کی عمر کے درمیان۔ (v) انتظامی تدبیر کے لئے فلسفی حکمراں، فوجی اہلیت کے لئے سپاہی اور پیداوار کے لئے محنت کش طبقہ تیار کرنا، اس کا مقصد تھا۔ (vi) اس منصوبہ کہ ذریعہ انفرادی ضروریات اور معاشرتی ضروریات کے درمیان توازن قائم کرنا مقصد تھا۔

افلاطون کا منصوبۂ تعلیم اس حد تک غیر جمہوری تھا جس حد تک اس نے پیداواری طبقہ کو نظر انداز کیا۔ نوعیت کے اعتبار سے اور دائرہ میں، یہ نہایت محدود تھا کیوں کہ اس میں ادب سے زیادہ علم ریاضی پر زور دیا گیا تھا۔ پورا منصوبہ غیر متوقع طور سے اور غیر مناسب طریقہ سے نہایت خرچیلا تھا۔ اس معنی میں یہ غیر انفرادی تھا کہ اس نے انسان کے فکری عمل اور خود مختاری پر پابندی عائد کر دی تھی۔ یہ منصوبہ نہایت دقیق اور بہت زیادہ نظریاتی تھا۔ اس قدر کہ اس نے انتظامی دشواریوں کو قطعی نظر انداز کر دیا۔

2.4.3 بیویوں اور جائداد کی اشتراکیت

افلاطون کی استقامت میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ اس کا اشتراکیت کا نظریہ اگر نظریۂ انصاف کا منطقی نتیجہ ہے تو اس کا خاندانی اشتراکیت کا نظریہ،

اشتراکیت جائداد پر اس کے نظریہ کا ضمنی نتیجہ ہے۔ جیسا کہ خود افلاطون نے دلیل پیش کی —— انصاف ہی مثالی ریاست کا مقصد تھا۔ افلاطون نے مزید کہا کہ مثالی ریاست تین طبقات پر مشتمل ہوگی: حکمراں جماعت، معاون اور پیداواری جماعت۔ ہر ایک اپنے ذمہ فرائض ادا کریں گے۔ افلاطون کی دلیل تھی کہ فلسفی حکمراں اور معاون جائداد سے دور رہیں گے، کیونکہ جائداد خواہش نفس کی نمائندگی کرتی ہے اور اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے خاندانوں کی اشتراکیت ضروری ہوگی، ایسی مثالی ریاست میں ہی انصاف قائم ہوگا۔ جیسا کہ افلاطون کے لئے بارکر تحریر کرتا ہے: حکمراں کے یہاں خاندانی زندگی کا خاتمہ اس طرح نجی جائداد سے دست برداری کا لازمی نتیجہ ہے۔ ''ڈننگ[54] سے مطابق'': چونکہ نجی جائداد اور خاندانی تعلقات ہر برادری میں باہمی تنازعات کا باعث ہوتے ہیں اس لئے ان میں سے کسی کو بھی ایک مکمل ریاست میں تسلیم نہیں کیا جائے گا''۔ سے بائن کے مطابق —— افلاطون حکومت پر دولت کے منفی اثرات کا اس قدر قائل تھا کہ اس کو کوئی راستہ نہیں دکھائی دیا سوائے اس کے کہ اس برائی کو دور کرنے کے لئے دولت کے تصور کا خاتمہ کر دیا جائے۔ کیونکہ (جائداد کی پہلی برائی یہ ہے) حکمرانوں کی وفاداری میں ریاست کی کوشش میں سب سے بڑے رقیب افراد ہی ہوتے ہیں۔ سے بائن افلاطون کی جانب سے تحریر کرتا ہے: ''کسی کے بچوں کے لئے اندرونی خواہشات کو حاصل کرنے کی کوشش، جائداد کی خواہش کے مقابلہ ایک برائی ہے''۔

افلاطون کی اشتراکیت، اگر اس کے نظریہ کو مختصراً بیان کیا جائے، دو اشکال میں موجود ہے۔ سے بائن کا قول ہے: ''اول، نجی جائداد خواہ وہ گھر کی شکل میں ہو یا دولت کی، حکمراں کے لئے، ممنوع ہے۔ اور یہ دفعہ کہ وہ بیرک میں رہیں گے اور ایک مشترکہ میز پر کھانا کھائیں گے۔ دوئم، یک زوجی[55] جنسی تعلقات کا خاتمہ اور بہترین قسم کے بچوں کی کی پیدائش کے لئے باقاعدہ بچوں کی پیدائش کا منصوبہ، حکمرانوں کے حکم پر ہوگا۔'' دوہرے قسم کی یہ اشتراکیت حکمراں فلسفی اور معاون دونوں پر نافذ ہوگی جن کو افلاطون محافظ کا نام دیتا ہے۔

جائداد اور بیویوں کی اشتراکیت کی حمایت میں افلاطون کی دلیل یہ تھی کہ ریاست کے اتحاد کی خاطر ان کو ترک کرنا ضروری تھا۔ ''ریاست کے اتحاد کو قائم رکھنا ہے۔ جائداد اور خاندان راہ میں کھڑے ہیں لہذا، جائداد اور شادی کو ختم کر ہو جانا چاہئے''۔ (سے بائن)۔

افلاطون اور مارکس کی اشتراکیت کے درمیان یکسانیت کی تلاش، جیسا کہ پروفیسر جازی[56] یا پروفیسر میک سی کرتے ہیں، غلط خطِ متوازی کھینچنا ہوگا۔ افلاطون کی اشتراکیت کا ایک سیاسی مقصد ہے: سیاسی خرابی کا معاشرتی حل، مارکس کی اشتراکیت کا معاشی مقصد ہے —— معاشی بیماری یا خرابی کا سیاسی حل۔ افلاطون کی اشتراکیت دو طبقات تک محدود ہے —— حکمراں اور معاون طبقہ۔ جبکہ مارکس کی اشتراکیت پورے معاشرہ پر فافذ ہوتی ہے افلاطون کی اشتراکیت کی بنیاد (جائداد یا) مادی ترغیب پر قائم ہے اور اس کی نوعیت انفرادی ہے۔ جبکہ مارکس کی بنیاد، جائداد کے جمع ہونے سے معاشرتی برائیوں کا فروغ ایک نتیجہ ہے۔

جائداد اور بیویوں کی اشتراکیت کے منصوبہ کی حمایت میں افلاطون کے ذریعہ دی گئی وجوہات درج ذیل تھیں: جو سیاسی اقتدار کا استعمال کرتے ہیں ان کے معاشی محرک نہیں ہونے چاہیں۔ اور جو معاشی سرگرمیوں میں مصروف ہیں ان کا سیاسی طاقت میں کوئی حصہ نہیں ہونا چاہئے۔ اس کا پیغام تاریخی واقعات سے لئے گئے 'اسباق پر منحصر تھا۔ افلاطون نے اسپارٹا کے کامیاب تجربہ سے سبق حاصل کیا جس کے شہریوں کو دولت کا استعمال ممنوع تھا۔ ان کو استعمال کے لئے مشترکہ چیزیں دی جاتی تھیں۔

افلاطون کے ذریعہ خاندانی اشتراکیت کا دفاع، کم موثر نہیں تھا۔ اس سلسلہ میں بارکر، افلاطون کی دلیل کا خلاصہ پیش کرتا ہے: ''افلاطون کا منصوبہ کئی پہلوؤں اور بہت سے مقاصد کا حامل ہے۔ یہ اصلاح نسل کا ایک منصوبہ ہے یہ عورتوں کی آزادی کا ایک خاکہ ہے۔ یہ خاندان کی قومی ملکیت کا ایک منصوبہ ہے۔ اس کا مقصد ہے بہترین نسل حاصل کرنا، عورتوں اور، مردوں کے لئے زیادہ آزادی کا حصول، ان کی اعلیٰ ترین صلاحیتوں کو فروغ دنیا، ریاست کی مکمل اور زندہ جاوید استحکام یا کسی نہ کسی طرح ریاست کے حکمرانوں کا اتحاد استحکام کا حصول''۔

اس کے شاگرد ارسطو سے لے کر کارل پوپر تک بہت سے لوگوں نے افلاطون کے منصوبہ اشتراکیت کی ملامت کی —— افلاطون پر تنقید کرتے ہوئے ارسطو نے کہا کہ اس نے قدرتی صلاحیتوں کو نظر انداز کر دیا۔ اور اپنے منصوبہ کو اس حد تک جانبدارانہ بنا دیا کہ پیداواری طبقہ کو اس سے علحیدہ رکھا۔ اور

---

54. ڈننگ : DUNNING
56. پروفیسر جازی : PROF JASZI
55. یک زوجی: ایک وقت میں ایک بیوی کا نظریہ

IMC LIBRARY MEDIA CENTRE

حکمراں کو زاہد اور اشرافیہ قرار دیا۔ تمام بہترین چیزیں محافظ کے لئے وقف کر دیں۔ دوسروں نے، جن میں کارل پوپر بھی شامل ہے، افلاطون کے منصوبہ اشتراکیت کو بہت سی بنیادوں پر رد کیا۔ خاص طور سے درج ذیل بنیادوں پر:

(a) یہ مشکوک ہے کہ محافظ یا حکمراں کو ایک خاندان کی شکل دیکر خاندان کی اشتراکیت کیا زیادہ اتحاد پیدا کرے گی۔

(b) بیویوں اور خاندان کی اشتراکیت، جیسا کہ ارسطو اشارہ کرتا ہے، اگر لاقانونیت کا نہیں تو الجھاؤ کا باعث ہوگی۔ ایک عورت تمام محافظ طبقہ کی بیوی ہوگی اور ایک مرد تمام عورتوں کا شوہر ہوگا۔ جیسا کہ ارسطو نے کہا، یہ کہنا درست ہوگا: ایک باپ کے ہزار بیٹے ہوں گے اور ایک بیٹے کے ہزاروں باپ۔

(c) عام بچوں کو نظر انداز کر دیا جائے گا کیوں کہ ہر ایک اولاد، کسی کی اولاد نہیں ہوگی۔

(d) یہ بھی مشکوک ہے ریاست کے ذریعہ منضبط ازدواجی رشتے کیا قابل عمل ہوں گے۔ یہ منصوبہ عورتوں اور مردوں کو جانوروں میں تبدیل کر دے گا جو عارضی ازدواجی رشتے قائم کریں گے۔

(e) اشتراکیت کا پورا منصوبہ بہت زیادہ غیر لچک دار، سخت اور درشت ہے۔

(f) افلاطون کی خاندانوں کی اشتراکیت، شادی کا ایسا نظام پیش کرتی ہے جو نہ تو یک زوجگی ہے نہ دو زوجی، نہ کثرتِ ازدواجی اور نہ چند شوہری

(g) افلاطون کا نظریۂ اشتراکیت بہت زیادہ خیالی، غیر عملی، تصوراتی ہے اور اس وجہ سے، زندگی کے حقائق سے بہت دور ہے۔

2.4.4 مثالی ریاست: فلسفی حکمراں

نظریۂ سیاسی پر اپنی تمام تصانیف میں افلاطون جس مثالی ہمیشہ کارگر ریاست کی تعمیر کرتا ہے اس کی حمایت میں ایک اہم نکتہ ہر جگہ موجود ہے۔ زندہ رہنا ایک بات ہے اور اچھی طرح زندہ رہنا دوسری بات ہے اور شاید قطعی مختلف بات۔ افلاطون نے کئی بار اس بات کی تصدیق کی کہ عوام کو ایک مکمل زندگی گزارنے میں مدد کرنا، حکومت کی ذمہ داری ہے۔ جس مسئلہ پر افلاطون نے توجہ دی وہ یہ صرف نہیں تھا کہ کیسے ایک بہترین حکومت کی تخلیق کی جائے افلاطون کے ساتھ نہ صرف حکومت کا معاملہ تھا بلکہ ایک بہترین مثالی حکومت کا معاملہ، ایک مثالی ریاست کا معاملہ۔

'جمہور'[57] میں افلاطون ایک مثالی ریاست کی تعمیر، تین سلسلہ وار مراحل میں کرتا ہے: 'وہ صحت مند ریاست' یا جیسا کہ گلوکون نے اصلاحاً کہا ہے ''سوروں کا شہر'' جو کم و بیش ایک معاشرتی گروہ ہے جہاں لوگ ایک ساتھ رہتے ہیں، تقسیم محنت'' اور'' خصوصی مہارت'' کے اصولوں کی بنیاد پر، اپنی مادی ضرورتیں پوری کرنے کی خاطر، وہ عیش پسند ریاست جو ایک صحت مند معاشرہ کے افراد، سے بنتی ہے جو 'صوفہ اور میز'، اور 'طشتری اور مٹھائیوں سے اپنی بھوک مٹاتے ہیں اور اس طرح ایک گروہ تیار ہوتا ہے۔ '' متلاشی کتوں کو، خوشبو سونگھتے، دھیمی رفتار سے آگے بڑھتے اور شریر بچوں کی طرح لڑتے ہیں''۔ یعنی معاون طبقہ اور انصاف پسند ریاست، مثالی ریاست، جہاں 'کتوں' کے درمیان فلسفی اپنے علم کی بنا پر انصاف قائم کرتے ہیں کہ 'کس کو کاٹنا ہے' یعنی 'دوستوں کے لئے شرافت اور دشمنوں کے لئے غضب ناکی اور باقی لوگوں کے لئے رہنمائی کرتے ہیں اس طرح طبقات کے لئے واضح اشارہ ہے جو مثالی ریاست کی تشکیل کرتے ہیں۔ پیداواری طبقہ' معاون و مددگار طبقہ اور حکمراں طبقہ۔ 'جمہور' میں ریاست کی رہنمائی فلسفی حکمراں کرتے ہیں۔ 'مدبر'[58] میں ایک مخلوط ریاست کی رہنمائی مدبر کرتا ہے اور 'قوانین'[59] میں ایک حقیقی ریاست کا تصور ہے جس کی رہنمائی قوانین کرتے ہیں۔ 'جمہور' کی مثالی ریاست، تاریخی (سیاست) اور حقیقی (قوانین) ریاستوں کی شکل ہے۔

افلاطون کے حکمراں یا تو 'جمہور کے فلسفی'، 'سیاست' کے مدبر یا 'قوانین' کے مجسم قوانین، پورے معاشرہ کے مفادات کے فروغ و تحفظ کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ جیسا کہ افلاطون نے 'جمہور' میں اظہار خیال کیا۔ ان کا مقصد ریاست میں امن و خوشحالی قائم کرنا ہے۔ افلاطون کہتا ہے: ریاست کو قائم کرنے میں ہمارا مقصد سب کی زیادہ سے زیادہ خوشی کے لئے ہم نے سوچا کہ ایک ریاست میں جہاں سب کی فلاح کے نظریہ سے امن قائم کیا جائے وہاں ہمیں انصاف ملنے کی سب سے زیادہ امید ہے'' یا پھر'' ہمارا مقصد ہے کہ ہمارے محافظ، ریاست کے سچے محافظ بنیں، اس کو تباہ کرنے والے نہیں''۔ 'سیاست' میں افلاطون

57. 'جمہور' : 'THE REPUBLIC'

58. 'مدبر' : 'THE STATELMAN'

59. 'قوانین' : 'THE LAWS'

یہ افلاطون کی اہم تصنیفات ہیں

نے کہا ہے کہ حکمرانوں کو۔''اپنے اختیار واقتدار کا استعمال عام تحفظ اور اصلاح کے لئے کرنا چاہئے''۔''قوانین'' میں افلاطون ''ریاست کی فلاح'' کے لئے متفکر تھا۔ وہ حکمراں کا خواہاں تھا، بہانے ساز کا نہیں۔ وہ حکمراں جو اپنے کام سے واقف ہوں اور سب کے مفاد میں اپنی ذمہ داری ادا کرنے کے قابل ہوں۔ وہ دانش مند، حوصلہ مند، معتدل مزاج اور منصف ہونے چاہیں۔ یہ وہ خوبیاں ہیں جن کا اظہار 'جمہور' میں کیا گیا۔ روایتی دستوروں اور مقدس ماضی کے غیر تحریر کردہ قوانین میں ماہر اور ذہین ہوں جیسا کہ 'سیاست' میں اظہار ہوا اور تحریر شدہ قوانین کے تحت کام کرتے ہوں جیسا کہ 'قوانین' میں بیان آیا۔

قدیم یونانی مفکرین کی تحریروں میں تمثیلی طریقہ کا استعمال عام تھا۔ جو بقول بارکر ''فطرت کے قدیم فلسفہ سے نئے انسانی فلسفہ کی جانب تبدیلی کی ایک خاصیت'' کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کے ذریعہ تمثیلات کا استعمال، فنِ حکمرانی اور ایک فنکار کے تصور میں حکمراں کے لئے اس کی لگن کا اظہار ہے۔ انسانی گروہ کی دیکھ بھال اور حفاظت کے لئے 'سپاہی کتے' اور دشمنوں کا دور رکھنے کے لئے بھیڑوں کو پالنا'' گلہ بان۔ حکمراں'' انسانی گروہ کی دیکھ بھال کے لئے۔ ان سب کا ذکر 'جمہور' میں ملتا ہے۔ بیمار ہوتی ہوئی ریاست کی صحت عامہ کی ذمہ داری کے لئے طبیب، مدبر ہیں ریاست کے جہاد پر تمام حالات کو قانون اور ضابطہ کے تحت رکھنے کے لئے۔ اپنے کام میں ذہین اور تجربات میں دولت مند، اپنے فن میں ماہر 'پائلٹ۔ مدبر' میں، فطرتِ انسانی کے مختلف اجزاء کو مربوط رکھنے اور ان میں 'مناسب ربط' پیدا کرنے کے لئے 'بننے والے۔ مدبر' ہیں۔ ان سب کا ذکر 'سیاست' میں ہے۔

علم وہ لیاقت وقابلیت ہے جو حکمرانوں کو اپنے عوام پر حکمرانی کے قابل بناتا ہے۔ افلاطون نے کہا۔ یہ ان کا بہترین طریقہ سے اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے میں مدد دیتا ہے۔ اس نے اصرار کیا کہ حکمراں کو سیاست کا علم ہونا چاہئے۔ اس کا یہ بھی ماننا تھا کہ انہیں علم کا استعمال اس طرح کرنا چاہئے جیسے کوئی فنکار اپنے فن کا استعمال کرتا ہے۔ افلاطون نے حکمرانوں کی اہلیت اور ذمہ داریوں کو ادائیگی میں سخت ضابطہ کی اہمیت وضرورت پر بھی زور دیا۔ جیسے کوئی اپنے کھیت جوتتا ہے اسی طرح حکمراں حکومت کرتے ہیں۔ کسان، کسان ہی ہے کیونکہ وہ کھیت جوتنا جانتا ہے۔ اسی طرح حکمراں، حکمراں ہی ہیں کیونکہ وہ حکمرانی کرنا جانتے ہیں۔

افلاطون نے کوئی ایسا موقع فراہم نہیں کیا کہ حکمراں اپنے مقاصد سے گمراہ ہوجائیں۔ اسی لئے حکمرانوں پر اشتراکی طریقے نافذ کئے گئے جیسا کہ 'جمہور' میں ہے۔ مقدس دستوروں کو زندہ جاوید رکھنے کے لئے ان کے وعدے 'سیاست' میں ملتے ہیں اور ان سے تحریر شدہ ضوابط کے تیئں تابع داری کا مطالبہ، جیسا کہ 'قوانین' میں تحریر ہے۔ افلاطون چاہتا تھا کہ سیاست کے علم وفن کو اس طرح رہنمائی حاصل ہو کہ ایک منصفانہ نظام قائم کیا جاسکے جس میں ہر فرد، ہر گروہ، ہر جماعت اپنا مقرر کردہ فرض انجام دیتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حکمرانوں کو ان کے فن میں ماہر بنانا چاہتا تھا۔ یہی سبب ہے کہ وہ اپنے حکمرانوں کو تعلیم وتربیت کے عمیق نظام کے ماتحت لایا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حکمرانوں کو ذاتی خواہشات سے دور رکھتا ہے۔ اس کی فکر—ایک مکمل اور موروثی معاشرہ کی تعمیر تھی جس میں حکمرانوں سے توقع کی گئی کہ وہ انصاف ('جمہور')، معاش ('سیاست') اور فلاح عامہ ('قوانین') کے نصب العین کو تھامیں رکھیں۔ اپنے فلسفی حکمراں کو افلاطون نے مکمل اختیارات اس لئے عطا کئے تا کہ عقل وفہم حاوی رہے۔ بہرحال، جیسا کہ پوپر نے درست ہی کہا، وہ مکمل اختیارات کے ممکنہ غلط استعمال کے خلاف حفاظت کا انتظام نہیں کرسکا۔ خواہ حکمراں کتنا ہی منصف اور دانش مند کیوں نہ ہو۔

'قوانین' میں افلاطون تحریر کرتا ہے: ''اگر کوئی کسی کو بہت زیادہ اختیارات دیدے، جہاز رانی کے لئے بہت بڑا جہاز، جسم کے لئے بہت زیادہ کھانا، ذہن کے لئے بہت زیادہ اقتدار اور کم تر سے کم تر کا مشاہدہ نہ کرے تو ہر چیز برباد ہوجائے گی اور زیادتی کی وجہ سے ایک معاملہ بہت سی برائیوں اور لاابالی پن میں ناانصافی تک پہونچ جائے گا۔'' اس کے حکمرانوں کے پاس ذمہ داریاں، انصاف کی حکمرانی، کو قائم روکھنے کے لئے ''نظام تعلیم میں کسی ایجاد کی اجازت نہ دینا''۔ اور ریاست میں غربت یا دولت کے داخلہ کے خلاف پہرہ دینا، اور ریاست کے سائز کو نہ تو بڑا اور نہ چھوٹا بلکہ یکجا اور 'خود کفیل' قائم رکھنا۔

2.5 افلاطون کے سیاسی نظریہ کا احتساب — Evaluation of Plato's Political Theory

2.5.1 افلاطون کے مخالفین

افلاطون کی تشریح اتنے مختلف طریقوں سے کی گئی ہے کہ انہوں نے نتائج کو تہس نہس کر دیا ہے۔ بعض افراد کے لئے افلاطون ایک انقلابی ہے، اشتراکیت کا پیغمبر ہے۔ دوسروں کے لئے فاشزم یا فسطائیت کا رہنما، عجلت پسندوں کا وکیل، افلاطون کا شاگرد ارسطو اس کا سب سے بڑا ناقد ہے۔ آر۔

اپچ کراس مین ('افلاطون آج')، سی۔ایم۔بورا (قدیم یونانی ادب')، ڈبلیو فائٹ (افلاطونی روایت)، بی۔فیرنگ ٹن (قدیم دنیا میں سیاست کا علم[60])، اے۔ڈی۔ونس پی یر ('افلاطون کے فکر کی ابتدا')، کارل پوپر ('کھلا معاشرہ اوراس کے دشمن') وہ اصحاب ہیں جنھوں نے افلاطون کی تردید کی۔جی۔سی۔فیلڈ (افلاطون اوراس کے ہم عصر)[61]، رونالڈ بی۔لے ون سن ('افلاطون کے دفاع میں')، جون وائلڈ (افلاطون کے جدید دشمن اورفطری قانون کا نظریہ)، اے۔ای۔ہٹلر ('شخص اوراس کی تصنیفات')[62]، ارنسٹ) بارکر ('یونانی سیاسی فکر') آر۔ایل۔نیٹل شپ ('افلاطون کی جمہور پر لکچرس') اس کے مداح ہیں۔

افلاطون کے تمام ناقدین میں کارل پوپر کے ذریعہ افلاطون کی تنقید سب سے زیادہ غارت کرنے والی ہے۔پوپر کے نزدیک، افلاطون کھلے معاشرہ کا دشمن تھا۔پوپر کا خیال ہے کہ افلاطون نے بند یا محدود نظام کی وکالت کی ہے جو ماضی کے قبائلی نظام سے، انسان کی ازسرنو پیدائش سے مختلف نہیں۔پوپر کے خیال میں افلاطون کا فلسفہ اوراس کے انصاف اشتراکیت اور تعلیم وغیرہ کے نظریات، مطلق العنانیت کو حق بجانب قرار دینے کے ہلکے پھلکے طریقے ہیں۔افلاطون کے فلسفہ کا مقصد مثالیت کو دائمی بنانا تھا۔جمہوریت مخالف، تبدیلی مخالف اور کھلے معاشرہ کے مخالف تصور کواس نے دائمی بنایا۔افلاطون کے خلاف پوپر کی لتاڑ کو خود اس کے الفاظ میں، مختصر طور پر، بیان کیا جاسکتا ہے: ''افلاطون کے بنیادی مطالبات کو دو طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے ظاہر کیا جا سکتا ہے (1) تبدیلی اور آرام کے عینی نظریہ کے مطابق (2) اس کے فطرت پسندی کے مطابق۔عینی طریقہ یہ ہے کہ تمام **سیاسی تبدیلی روک دو**۔تبدیلی برائی ہے۔آرام مقدس ہے۔تمام تبدیلی کو روکا جاسکتا ہے اگر ریاست اس کی اصلیت کی نقلِ پیدا کردے یعنی کسی شہریار ریاست کے تصور یا شاعری کی نقل—اگر یہ پوچھا جائے کہ یہ کیسے قابلِ عمل ہے تو فطری طور سے ہم جواب دے سکتے ہیں—**فطرت کی جانب واپسی** اپنے آباو اجداد کی اصلی ریاست میں واپس، وہ ابتدائی مضبوط ریاست جو فطرتِ انسانی کے مطابق قائم ہوئی تھی اوراس طرح، زوال سے پہلے کی قبائلی پدرانہ نظام سے، چند دانش مند لوگوں کی فطری طبقہ کے باقی بہت سے جاہلوں پر حکمرانی کے دور میں واپسی ہو جائیں''۔(زیر سطر پوپر کے ذریعہ استعمال کردہ)۔

افلاطون کے سیاسی منصوبہ کو رد کرتے ہوئے، پوپر کہتا ہے: ''مطلق العنانیت کے مقابلہ میں اخلاقی برتری سے بہت دور، بنیادی طور پر اسی سے مشابہت رکھتا ہے''۔پوپر اس بات پر زور دیتا ہے کہ افلاطون کی مثالی ریاست ایک بند معاشرہ کی جانب رہنمائی کرے گی۔اس کے بقول: ''افلاطون کی معاشرتی تشخیص نہایت عمدہ تھی لیکن اس کا فروغ ثابت کرتا ہے کہ وہ جو طریقہ علاج تجویز کرتا ہے وہ اس بُرائی کے کہیں بدتر ہے جس سے وہ مقابلہ کی کوشش کرتا ہے۔سیاسی تبدیلی کو روک دینے سے علاج نہیں ہوتا، یہ عمل خوشیاں نہیں لاسکتا۔ہم بند نظام کی خوبصورتی اور معصومیت کی طرف کبھی واپس نہیں ہوسکتے۔جنت کا ہمارا خواب دنیا میں شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔اگر ایک دفعہ ہم اپنے فہم وادراک پر بھروسہ کرلیں اوراپنی تنقیدی صلاحیتوں کا استعمال کریں—ہم قبائلی جادو کے تئیں مکمل سپردگی کی حالت میں نہیں پہونچ سکتے۔جن لوگوں نے علم کے درخت کا مزا چکھ لیا انہوں نے جنت کھودی۔ہم قبائلی دور کی جانب واپسی کی جس قدر کوشش کریں اتنا ہی عدالتی احتساب، خفیہ پولیس، اور رومان انگیز گروہ بندی کی جانب ہمارا پہونچنا یقینی ہے۔تحقیق اور سچ کو دبانے کی کوشش میں ہم وہ سب کچھ بے دردی اور تشدد سے کھودیں گے جو انسانی ہے۔ایک فطری، باہم یگانگت پر مبنی ریاست کی واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔اگر ہم پلٹتے ہیں تو ہمیں پورا راستہ طے کرنا چاہئے—ہمیں سب سے بہترین تک واپس ہونا چاہئے۔(زیر سطر پوپر کے ذریعہ استعمال کردہ)۔

افلاطون کے کٹر مخالف جون جے چیپ مین[63] نے افلاطون کو جادوگروں کا شہزادہ کہا۔ڈبلیو فائٹ کا خیال ہے کہ افلاطون میں ایک تابع بچہ پس وپیش میں تھا۔آر۔اپچ۔کراس مین کہتا ہے کہ افلاطون اپنے عہد اور ہمارے کے لئے بھی غلط تھا۔

افلاطون کے مخالفین ہر عہد میں سرگرم رہے۔خود اس کے زمانے سے آج تک، اس کے شاگرد ارسطو سمیت، خاص طور پر حقیقتاً افلاطون کے ساتھ اس کے دشمنوں نے ناانصافی کی۔افلاطون کے لئے ایسے سلوک کا عکس پوپر کی تنقید میں ملتا ہے۔اگر سچ مچ افلاطون میں ایک مطلق العنان موجود ہوتا تو اس نے ایک پولیس ریاست کی تعمیر کی ہوتی، خفیہ پولیس کے لئے دفعات طے کی ہوتیں۔سخت اور درشت سزاؤں کی تجویز پیش کی ہوتی، قیدیوں کے لئے کیمپ کا تصور دیا ہوتا جہاں خوف ہوتا۔لیکن کہیں بھی ہم افلاطون کو ایسا کرتے ہوئے نہیں پاتے۔اس کے برخلاف، وہ ایک مثالی ریاست کی تصویر پیش کرتا ہے۔

60. بی فیرنگ ٹن : B. FARRINGTON : ' SCIENCE OF POLTICS IN THE ANCIENT WORLD'

61. جی۔سی۔فیلڈ : G. C. FIELD : ' PLATO AND HIS CONTEMPORARIES'

62. اے۔ای۔ہٹلر : A. E. TAYLOR : 'MAN AND HIS WORKS'

63. جون جے چیپ مین : JOHN JAY CHAPMAN

اس کا مقصد اخلاقی ہے جس کے حکمراں، دانش مندانہ منصوبہ کے ذریعہ رہنمائی حاصل کرتے ہیں، جن کو ایک خصوصی تعلیم مہیا کی جاتی ہے اور خود کو وقف کر دینے اور نفس کشی کی زندگی گزارنے کی باقاعدہ تربیت دی جاتی ہے۔

2.5.2 مغربی سیاسی فکر میں افلاطون کا مقام

افلاطون کا سیاسی فلسفہ جو خود اس کی تصنیفات سے اجاگر ہوتا ہے، مغربی فکر سیاسی کی تاریخ میں اس کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ جوویٹ[64] نے افلاطون کو فلسفہ، ریاست اور ادبی عینیت کا باب کہا ہے۔ وہ درست کہتا ہے: ''افلاطون کے یہاں کہیں بھی اس قدر گہرا طنز و مزاج اور تصور کی زبردست دولت یا ڈرامائی اہلیت نہیں (جس قدر 'جمہوریہ' میں ملتی ہے) نہ ہی اس کی کسی دوسری تصنیف میں غور و فکر کے ساتھ زندگی کا تانہ بانہ یا سیاست کو فلسفہ سے جوڑنے کی ایسی کوشش کی گئی ہے—'' ''پروفیسر میک سی ('سیاسی فلسفے'، 1961ء میں قلم طراز ہے'' — لیکن اس کی درمیانی رگ (افلاطون کے سیاسی فلسفہ کی) لازوال اور عالمگیر تھی۔ Periclean کے بعد عہد میں بحیثیت ایک یونانی، وہ توسیع پسندی کے خلاف تھا، جمہوریت میں یقین نہیں رکھتا تھا، پیشہ ورایت کا دشمن تھا اور Lacedae monion فوج پسندی کا مداح تھا لیکن معاشرتی اور سیاسی اداروں کے تجزیہ کار اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے کی حیثیت سے وہ آنے والے زمانے کے زیادہ تر غیر مادی سیاسی فلسفوں، نو تعمیر سیاسی نظریات اور کٹر سیاسی منصوبوں کا پیش رو اور محرک تھا''۔ ایمرسن[65] کے نزدیک ''افلاطون فلسفہ تھا اور فلسفہ — افلاطون تھا''۔

مغربی فکر سیاسی میں افلاطون کا کارنامہ اور حصہ لاثانی ہے۔ اس نے اس کی سمت کو ایک بنیاد اور ایک منزل عطا کی۔ مغربی سیاسی فلسفہ کے لئے افلاطون کی سیاسی عینیت، ایک تحفہ ہے۔ افلاطون حقیقت میں ایک عینیت پسند تھا۔ حال سے زیادہ وہ مستقل میں دلچسپی رکھتا تھا۔ وہ ایک ایسے ماڈل میں جس میں ریاست حقیقی ریاست کے مقابلہ مثالی نمونہ بن سکتی تھی، یقین رکھتا تھا۔ جو حال میں نظر آنے والی ریاست جیسی نہیں تھی۔ جس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ عینیت پسند اس مدعہ پر غور و فکر نہیں کرتی جو موجود ہے یا جو حقیقی ریاست ہے۔ دراصل، موجودہ کی بنیاد پر عینیت پسند مستقبل کے لئے ہدایت دیتا ہے۔ افلاطون کی عینیت، اس وقت موجود شہری یا مدنی ریاستوں کے حالات پر قائم تھی۔ اس کی تحریک خود اس کے اپنے زمانے کے یونان کو بدلنے کے لئے، جیسا کہ ہوبز کہتا ہے، ماضی کے لئے نہیں بلکہ مستقبل کے ایک نمونہ کے طور پر مدلل منصوبہ کے ذریعہ قائم تھی۔ ہوبز کے مطابق، افلاطون کو ایک عینیت پسند کہا جاسکتا ہے لیکن خیالی نہیں، ایک طبیب کہا جاسکتا ہے لیکن زندگی دینے والا نہیں۔ ایک مصلح کہا جاسکتا ہے، خواب دیکھنے والا نہیں۔

ان مفروضات پر افلاطون نے جہاں تک سیاسی ادارے قائم کرنے کی کوشش کی جن کو وہ بنیاد سمجھتا تھا، اس حد تک افلاطون کے یہاں اصلیت پائی جاتی ہے۔ افلاطون کی اہمیت اس بات میں پوشیدہ ہے کہ اس نے ایک مکمل مثالی ریاست کے ڈھانچہ میں تعلیم کو بنیادی اصول کی حیثیت دی۔ اگر تعلیم کے مکمل منصوبے پر پوری طرح سے عمل درآمد کیا جائے۔ تو ریاست کی ترقی یقینی ہے۔ عمدہ تعلیم اور عمدہ نشوونما مکمل بہتری کی ضمانت ہیں — اس کی مدد سے ریاست کو نئے سرے سے قائم کیا جاسکتا ہے مکمل پوپر کے جز وقتی معاشرتی انجینئرنگ کے نظریہ کے خلاف ہے۔

افلاطون ایک فلسفی ہے، اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک عینیت پسند بھی ہے۔ وہ فلسفی جو اس کو دکھائی دیتا ہے، اس سے بھی زیادہ سوچتا ہے۔ وہ چیزوں کو عوام کے نظریے سے دیکھتا ہے اور جو مخصوص ہے اس کو نظر انداز کرتا ہے۔ افلاطون ایسا فلسفی تھا جس نے اپنے عہد کی ریاستوں کی بگڑتی ہوئی حالت کو دیکھا۔ وہ بیماری کی تشخیص کرنا چاہتا تھا، جس چیز نے قدیم یونانی معاشرہ کی علامتوں کو بیمار بنا دیا وہ ہمیشہ بدعنوان حکمرانوں کی وجہ سے تھیں اور اس کی تشخیص یہ تھی کہ عوام کو حکمرانوں کی ایسی جماعت دی جائے جو فن حکمرانی سے واقف ہو۔ افلاطون ایک ایسا فلسفی تھا جس کی نظروں سے فلسفہ کبھی اوجھل نہیں ہوا۔ وہ عینیت پسند، با مقصد، مستقبل سے فکر مند اور با اصول تھا۔ پھر بھی حقیقی حالات کے دائرہ میں رہنے والا ایسا فلسفی جس نے آسمان کی بلندیوں کو دیکھا لیکن اس کے قدم زمین میں پیوست تھے۔ افلاطون کوئی درویش نہیں ہوسکتا لیکن وہ ہم سب کا استاد ہے۔ ہم اس کی تنقید کرسکتے ہیں لیکن اس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

مغربی فکرِ سیاسی میں افلاطون کا دوسرا اہم کارنامہ — اس کی انتہا پسندی تھی۔ اس نے انوکھے خیالات کی ایجاد کی اور ان کو نہایت مہارت سے سیاسی منصوبہ میں باہم مربوط کر دیا۔ اس کی انتہا پسندی اس حقیقت میں پوشیدہ ہے کہ اس کے حکمراں وہ حکمراں ہیں جن کے پاس جائداد کے مالکوں کا آرام

---

64. جوویٹ : JOWEIT: 'THE DIALOGUES OF PLATO' 1902

65. ایمرسن : EMERSON

وآسائش نہیں ہے۔وہ مالک ہیں لیکن خود ان کے پاس کچھ نہیں ہے۔وہ والدین ہیں مگر کسی کو اپنی اولاد نہیں کہہ سکتے۔ان کے پاس مکمل اختیارات ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ تمام ذمہ داریاں بھی ہیں۔ایک منصوبہ کے تحت، علم، قابلیت اور مہارت کی بنیاد پر پورے معاشرتی نظام کو منظم کیا گیا یہ اس Periclean عہد کے تصور کے متضاد تھا جس میں مساوات سے زیادہ انفرادیت اور قابلیت کی بنیاد پر جمہوری نظام میں شراکت پر زور دیا گیا تھا۔

افلاطون نے اپنی تصنیف 'جمہور' میں ایک مثالی نمونے کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔تعلیم کو اول مقام دیتے ہوئے اس نے ایک ایسے اعلیٰ طبقہ کا تصور کیا جو اقتدار کا استعمال خود اپنے لئے نہیں بلکہ پورے معاشرہ کی فلاح کے لئے کرے گا۔لیکن طاقت کے غلط استعمال یا اخلاقی خرابی پر قابو پانے کے لئے نسخہ تجویز نہیں کیا گیا۔اس اہم کمی کی وجہ سے اس کے حقیقت پسند شاگرد۔ارسطو نے، ایک ایسی مثالی ریاست کا تصور پیش کیا جو 'جمہور' کی نقل نہیں تھی۔ موجودہ جمہوری نظام کو ہم 'قوانین' سے جوڑ سکتے ہیں، 'جمہور' سے نہیں۔

بہر حال، مغربی فکر سیاسی میں افلاطون کا مقام بے مثال ہے۔زمانے کے ساتھ ساتھ اس کی میراث پھیلتی گئی۔ان سیاسی فلسفیوں کی فہرست تیار کرنا نہایت مشکل ہے جنھوں نے ظاہری یا باطنی طور پر، افلاطون کا نقش حاصل کیا۔

Summary — 2.6 خلاصہ

افلاطون کا شمار کثرت سے لکھنے والے مصنفین میں ہوتا ہے۔وہ قدیم یونان کا ایک فلسفی تھا جو 428/7 قبل مسیح میں پیدا ہوا اور 348/7 قبل مسیح میں انتقال کر گیا۔ہم تک اس کی تصنیفات مکالمات کی شکل میں پہونچیں جو تعلیم یافتہ لوگوں اور فلسفہ میں دل چسپی رکھنے والوں کو اپنی جانب مائل کرتی ہیں۔وہ ایک عظیم سیاسی فلسفی تھا۔اس کے خیالی قصے، استعارے، طنز و مزاج، نئی راہیں اور ایک ضخیم یونانی لغت—لوگوں پر غالب آجاتے ہیں جو اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔اس کا فلسفہ ذہن اور حقیقت کے اہم مدعوں پر رہنمائی کرتا ہے۔افلاطون، اپنے استاد سقراط اور اس کے عہد کے قدیم یونانی حالات سے متاثر تھا۔

افلاطون کی معاشرتی اور سیاسی فکر اور خاص طور پر، 'جمہور' کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ صرف فلسفہ ہی حقیقی طاقت عطا کرتا ہے اور یہی علم کی جانب ایک راہ ہے۔فلسفہ اشکال سے واقف ہے اور عینیت سے بھی۔وہی لوگ حکومت کے اہل ہیں جن کی عقل و فہم اور علم رہنمائی کرتا ہے۔ایسے لوگوں کے پاس اقتدار واختیار ہونا چاہئے۔صرف وہی انصاف کرنے کے قابل ہیں۔یہ دیکھنے کے لئے کہ ہر شخص اپنی صلاحیت کی بنا پر بہترین کردار ادا کرتا ہے، ریاست کے جسم اور خالص فن اور یگانگت کو قائم رکھنے کے قابل ہے حکمراں 'سونے' کا جز ورکھتے ہیں اور 'چاندی' اور 'تانبے' کے آدمیوں کے ساتھ مل کر مثالی ریاست کی تعمیر کرتے ہیں۔ان تینوں طبقات کو افلاطون وہ تعلیم دیتا ہے جس کی ہر ایک کو ضرورت ہے۔ایک ماہر ہونے کے ناطے افلاطون ایسا کوئی موقع نہیں دیتا اور بد عنوانی سے آزاد انتظامیہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ وہ حکمرانوں پر اشتراکی طریقے نافذ کرتا ہے۔

افلاطون کے دوست اور دشمن بہت ہیں۔اس کے مداح اس کو عینیت پسند، فلسفی اور سب کا استاد بھی کہتے ہیں۔اس کے مخالفین اس کو کھلے معاشرہ کا دشمن، جمہوریت مخالف اور فاشسٹ کہتے ہیں۔مغربی فکر سیاسی میں اس کی حصہ داری کی کوئی برابری نہیں کر سکتا۔اس نے مغربی فکر سیاسی کو ایک بنیاد، ایک بصیرت اور قسمت عطا کی۔

Exercises — 2.7 مشق

1) افلاطون کے نظریۂ تعلیم کا تنقیدی احتساب کیجئے۔

2) احتساب کیجئے کہ افلاطون کا نظریۂ انصاف، موجودہ نظریات انصاف کی مشعل ہے۔

3) افلاطون کی مثالی ریاست میں بیویوں اور جائداد کی اشتراکیت کی اہمیت بیان کیجئے۔

4) افلاطون کی مثالی ریاست سے بحث کیجئے۔حکمراں طبقہ کے لئے افلاطون کن خوبیوں کی تجویز رکھتا ہے؟

5) پوپر کے ذریعہ افلاطون کی تنقید کو پرکھئے۔

6) افلاطون کے سیاسی فلسفہ کا محاسبہ کیجئے۔مغربی فکر سیاسی میں افلاطون کا کیا حصہ ہے۔

اکائی 3 ارسطو
Aristotle

Structure ساخت

Introdution	تمہید	3.1
Introducing Aristotle	ارسطو کا تعارف	3.2
The man and His Times	3.2.1 شخصیت اور عہد	
His Works	3.2.2 تصنیفات	
His Methodology	3.2.3 طریقۂ استدلال	
Philosophical Foundations of Aristotle's Political Theory	ارسطو کے سیاسی نظریہ کی فلسفیانہ بنیادیں	3.3
Plato and Aristotle	3.3.1 افلاطون اور ارسطو	
Politics and Ethics	3.3.2 سیاست اور اخلاقیات	
Political Ideas of Aristotle	ارسطو کے سیاسی خیالات	3.4
Theory of Justice	3.4.1 نظریۂ انصاف	
Property, Family and Slavery	3.4.2 جائداد، خاندان اور غلامی	
Theory of Revolution	3.4.3 نظریۂ انقلاب	
Theory of State	3.4.4 نظریۂ ریاست	
Evaluation of Aristotle's Political Theory	ارسطو کے سیاسی نظریہ کا احتساب	3.5
Influence	3.5.1 اثرات	
Summary	خلاصہ	3.6
Exercises	مشق	3.7

Introdution 3.1 تمہید

افلاطون کے برخلاف، ارسطو (322-384 قبل مسیح) پیدائشی طور سے ایتھنز[1] کا نہیں تھا۔ وہ اسٹے گیرا[2] میں پیدا ہوا، افلاطون کا شاگرد تھا اور اس نے آگے چل کر سکندر اعظم کو تعلیم دی اور پھر اپنا علمی ادارہ ''لی سے اِم''[3] قائم کیا۔ ارسطو کا افلاطون سے وہی تعلق ہے جو جے ایس مل[4] کا بنتھم[5] سے تھا۔ کیوں کہ ارسطو اور مل دونوں نے اپنے اساتذہ افلاطون اور بنتھم کی تعلیمات کے بیشتر حصہ کی تردید کی۔ افلاطون اور ارسطو کے مابین اس بنیادی فرق نے ان کو فکر کے دو عظیم دھاروں کی شروعات کرنے کا شرف عطا کیا جس نے اس فکر کی تشکیل کی جس کو آج مغربی سیاسی فکر کے نام سے جانا جاتا ہے۔ افلاطون سے سیاسی عینیت کا تصور ملا اور ارسطو سے سیاسی حقیقت پسندی کا۔ اس بنیاد پر مشہور شاعر کولرِج[6] کا یہ تبصرہ سمجھنا آسان ہے کہ ہر شخص یا تو افلاطونی پیدا ہوتا ہے یا ارسطوئی۔

افلاطون اور ارسطو کے درمیان تفریق، فلسفہ اور سائنس کے مابین تفریق ہے افلاطون سیاسی فلسفہ کا باپ تھا اور ارسطو علم سیاست کا۔ اول، فلسفی ہے

---

1. ایتھنز : ATHENS
2. اسٹے گیرا : STAGIRA
3. لی سے اِم : LYCEUM
4. جے ایس مل : J.S.MILL
5. بنتھم : BENTHAM
6. کولرِج : COLERIDGE

دوسرا، سائنس داں ہے۔اول استخراجی طریقہ استعمال کرتا ہے، دوسرا، استقرائی طریقہ۔افلاطون ایک نا قابلِ حاصل خیالی تصور مثالی ریاست کا پیش کرتا ہے جب کہ ارسطو کا تعلق بہترین ممکنہ ریاست سے تھا۔ پروفیسر میکسے[7] (سیاسی فلسفہ، 1961) نے درست کہا ہے: وہ سب لوگ جو پرانی دنیا کے بجائے نئی دنیا میں یقین رکھتے ہیں، افلاطون کے شاگرد ہیں وہ سب جو پرانی دنیاؤں کو سائنسی طریقوں سے پرمشقت اور اجیرن بناتے ہیں، ارسطو کے شاگرد ہیں''۔

افلاطون کی طرح، ارسطو نے بھی فراوانی سے تحریر کیا ہے۔ہمیں علم ہے کہ ارسطو نے بہت سے موضوعات پر تحریر کیا۔اس کے مداح ارسطو کو اس لقب سے پکارتے ہیں ان سب کا استاد جو علم رکھتے ہیں ''میکسے کے مطابق تقریباً ایک ہزار سال تک'' منطق پر ارسطو، میکینک پر ارسطو، طبیعات پر ارسطو، علم حیاتیات پر ارسطو، علم نجوم پر ارسطو، معاشیات پر ارسطو، سیاست پر ارسطو، تقریباً آخری لفظ تھا۔کوئی بھی اس سے زیادہ نا قابل مواخذہ استاد نہیں تھا۔اس کی معلومات اسقدر وسیع اور اس قدر ضخیم تھی، اس کی دور اندیشی بہت زیادہ تیز فہم تھی، اس کے استخراج اس قدر معقول تھے جتنا جدید سائنس کی آمد سے پہلے ہم عصر یا ان کے کسی پیش رو کے بارے میں اس قدر مستند نہیں تھا اس وجہ سے وہ ہر علم کا استاد تھا جس میں کوئی عالم دماغ کوئی غلطی تلاش نہیں کر سکتا۔' میکسے اس نے جو بھی مضمون تحریر کے لئے منتخب کیا، بہت اچھی طرح کیا، اس نے جو کچھ تصنیف کیا، اس کو فن کا نمونہ بنا دیا۔اس کی میراث، اس کے استاد افلاطون کے مثل، اتنی بیش بہا تھی کہ وہ سب خود کو حقیقت پسند سائنس دان نظریہ عملیت کا ہیرو اور افادیت پسند ہونے کا دعوی کرتے ہیں۔ایک رہ نما استاد اور ایک فلسفی کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔

معاشرتی علوم میں ارسطو کی حصہ داری کا حوالہ دیتے ہوئے ابراہیم ایڈل[8] اپنی تصنیف (''ارسطو کا بین الاقوامی انسائیکلو پیڈیا آف سوشل سائنسز'') میں کہتا ہے: ''معاشرتی علوم کے لئے ارسطو کی ممتاز حصہ داری یہ ہیں: (ا) تحقیق کا ایک ایسا طریقہ جو انسان کی ادراکیت پر توجہ دیتا ہے پھر بھی انسان اور فطرت کی سلسلہ واریت پر بنیادی شگاف سے زیادہ زور دیتا ہے، (ب) موجودہ مقبول، اقدار سے آزاد، معاشرتی علم اور علیحدہ دائرہ میں اخلاقیات کے متضاد، اخلاقی اور معاشرتی پہلوؤں کو باہم مربوط کرتا ہے، اور (ج) اخلاقیات، سیاست اور معاشرتی نظریہ کی باقاعدہ بنیادیں اور معاشیات، قوانین اور تعلیم کے بعض بنیادی اصول''۔

3.2 ارسطو کا تعارف — Introducing Aristotle

3.2.1 شخصیت اور عہد

ارسطو (304-322 قبل مسیح) سٹے گیرا میں پیدا ہوا جو اس وقت سلطنت مقدونیہ کی سرحد کے قریب چھوٹی سی یونانی آبادی تھی۔اس کے والد نکوماکیوس[9]، ایمن تاس[10] دوئم کے دربار میں طبیب تھے۔اس کا زیادہ تر بچپن مقدونیہ کے شاہی مرکز پیلا[11] میں گزرا۔ایک طبی خاندان کا وارث ہونے کے ناطے، یہ بخوبی تصور کیا جاسکتا ہے کہ ارسطو نے طب کا مطالعہ ضرور کیا ہوگا اور طبعی علوم، خاص طور سے علم حیاتیات میں اپنی دل چسپی کو فروغ دیا ہوگا۔والدین کے انتقال کے بعد، ارسطو کی پرورش کا باران کے ایک رشتہ دار پروزینس[12] کے ذمہ ہوا جس کے بیٹے نکانیر[13] کو بعد میں ارسطو نے اپنا لے پالک بیٹا بنایا۔

اگر چہ وہ ایتھنز کا رہنے والا نہیں تھا لیکن ارسطو نے اپنی نصف سے زیادہ زندگی ایتھنز میں گزاری پہلے افلاطون کی اکیڈمی میں ایک طالب علم کی حیثیت سے بیس سال (367 سے 347 قبل مسیح سے 323 قبل مسیح) کے درمیان۔ایک سال بعد کیلیس[14] میں اس کا انتقال ہوا جو اس کی ماں فیل تیس[15] کا مقام پیدائش بھی تھا۔اس کا انتقال جلاوطنی کی حالت میں ہوا کیونکہ مقدونیہ[16] کے تئیں حمایت و ہمدردی کی وجہ سے اس کو سزائے موت کا خوف تھا۔ ''میں ایتھنز کو دوسرا گناہ (399 قبل مسیح میں سقراط کی سزائے موت پہلا گناہ تھا) نہیں کرنے دوں گا''۔اس نے کہا تھا۔بارہ سال (347 سے 335 قبل مسیح) کے درمیانی زمانے میں وہ ایتھنز سے دور رہا۔یہ اس کا ''مسافر کا دورسفر'' تھا۔347-344 قبل مسیح کے درمیان، وہ اسوس[17] میں ہرمس[18] کے ساتھ رہا جو ایک

7. میکسے	MAXEY	8. ابراہیم ایڈل	ABRAHAM EDEL
9. نکوماکیوس	NICOMACHUS	10. ایمن تاس	AMYNTAS
11. پیلا	PELLA	12. پروزینس	PROXENUS
13. نکانیر	NICANER	14. کیلیس	CHALES
15. فیل تیس	PHALSTIS	16. مقدونیہ	MACEDONIA
17. اسوس	ASSUS	18. ہرمس	HERMIAS

مطلق العنان اور سابقہ غلام لیکن مقدونیہ کے بادشاہ فلپ کا دوست تھا۔ اس نے ہرمس کی بھتیجی اور لے پالک بیٹی پی تھی آس[19] سے شادی کی اور اس کی موت کے بعد، ارسطو کی طرح اسٹے گیرا کی رہنے والی ہرتی لیس[20] کے ساتھ بغیر شادی کے تعلق قائم کیا جس سے اس کو ایک بیٹا ہوا جس کا نام ارسطو نے اپنے والد نکو ما کیوس کے نام پر رکھا۔

ہرمس کے ساتھ ارسطو کے رشتہ نے ارسطو کو مقدونیہ کے بادشاہ کے قریب کردیا۔ جس کا بیٹا سکندر اور بعد میں سکندر اعظم کچھ وقت کے لئے ارسطو کا شاگرد بنا۔ 335 قبل مسیح میں اس کی اپنی اکیڈمی 'لے سی ام' کے قیام سے کافی پہلے، اپنے استاد افلاطون کی طرح، ارسطو نے حکمران طبقہ کے لوگوں سے تعلق قائم رکھا۔ 344-347 قبل مسیح کے درمیان ہرمس کے ساتھ اور 342 سے 323 قبل مسیح کے درمیان سکندر کے ساتھ اور 323 قبل مسیح میں سکندر کے انتقال کے بعد اینٹی پیٹر[21] کے ساتھ اس کا تعلق رہا۔ حکمرانوں کے ساتھ اس تعلق نے ارسطو کی دوراندیش نگاہوں کو عوامی معاملات کو قریب سے دیکھنے کا موقع دیا۔ ہرمس سے اس نے ایک شخص کی حکومت کی قدر کرنا سیکھی، معاشیات، خارجی تعلقات و خارجہ پالیسی کے متعلق سیکھا جو اس کی تصنیف 'سیاست' میں ملتا ہے۔ ارسطو کو سکندر سے وہ تمام ممکنہ امداد حاصل ہوئی جس کی وجہ سے اس جماعت پر ارسطو کا اثر ہوسکا (کہا جاتا ہے کہ سکندر نے تقریباً آٹھ سو باصلاحیت افراد کی خدمات ارسطو کی خدمت کے لئے مہیا کرائی تھی اور تمام شکاری، چڑی مار اور مچھلی کے شکاریوں کو اپنے یہاں اس کی مدد کے لئے رکھا تھا تاکہ وہ سائنس کے متعلق کسی بھی معاملہ کو ارسطو کے سامنے پیش کریں)۔ اینٹی پیٹر سے ارسطو نے جدید نظام سیاست کی اور جائداد کے مالک درمیانی طبقہ کی وکالت سیکھی جسکی وکالت ارسطو نے اپنی تصنیف 'سیاست' میں کی ہے۔ لے سرگس[22] سے جو ایتھنز کا مدبر تھا (326-338 قبل مسیح)، ایک افلاطونی تھا، ارسطو کا ہم جماعت تھا، ارسطو نے ان اصلاحات کی اہمیت سیکھی جس کو اپنی بہترین قابل عمل ریاست کا حصہ بنایا۔ لیکن یہی سب کچھ نہیں تھا جس کے لئے ارسطو مقبول ہے۔ درحقیقت ارسطو کے پاس اپنا بہت کچھ تھا۔ ہرشے پر سائنسی نقطۂ نگاہ رکھنے کا اپنا خاندانی پس منظر، بیس سال پر محیط افلاطون کا اثر، سیاسی واقعات کا گہرا مشاہدہ اپنے دور کے 158 دساتیر کا مطالعہ اور 'لے سی ام' میں لکچر اور بحث و مباحثہ کے ذریعہ اس کا زبردست مطالعہ، یہ سب مل کر اس کو ایک اینسائکلوپیڈیا طرز کا عملی دماغ اور کثرت سے تحریر کرنے والا مصنف بناتے ہیں۔

3.2.2 اس کی تصنیفات

ارسطو نے قریب 150 رسالے تحریر کئے جس میں سے تقریباً 30 باقی ہیں جو علم حیاتیات اور طبیعات (فزکس) سے لیکر اخلاقیات، فنون لطیفہ سے لیکر سیاست تک فلسفیانہ مسائل ایک وسیع دائرہ پر محیط ہیں البتہ ان میں سے بعض رسائل، مکمل رسالوں کی بجائے۔ لکچر نوٹ، سمجھے جاتے ہیں اور بعض، چند اداروں کے ممبران کی تحریر ہوسکتے ہیں۔ ایک ریکارڈ ہے کہ ارسطو نے منطق کے مختلف مقولات پر چھ رسالے، نیچرل سائنس کے مختلف موضوعات پر 26 رسالے، اخلاقیات پر 4، فن مصوری اور شاعری پر 3-3 مافوق الطبیعات، معاشیات، تاریخ اور سیاست میں سے ہر ایک پر ایک رسالہ اور متفرق موضوعات پر 4 یا اس سے زیادہ رسالے تصنیف کئے۔

ارسطو کی تصانیف کو تین عنوانات کے تحت تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ (۱) ایک مقبول کردار کے مکالمات اور دوسری تصنیفات، (۲) سائنسی تجزیہ سے حاصل شدہ مواد اور حقائق کا مجموعہ، (۳) باقاعدہ تصنیفات: اسکی مقبول تصانیف میں صرف ایک جو آج ہمارے پاس ہے وہ ایک دل چسپ رسالہ ہے، یہ عنوان ''اہل ایتھنز کا نظامِ حکومت''[23] دوسرے درجہ میں جو تصانیف ہیں اس میں 200 موضوعات شامل ہیں جو زیادہ تر علیحدہ علیحدہ حصوں میں ہیں۔ تیسرے درجہ کے باقاعدہ تصنیف کردہ رسائل میں ایک عام طرز و انداز دکھائی دیتا ہے۔ یہاں تک کہ ورنر جے گر[24] (ارسطو: اس کے فروغ کی تاریخ کی بنیادیں، 1912) سے پہلے یہ سمجھا جاتا تھا کہ ارسطو کی تصانیف اس کے خیالات کو باقاعدہ شکل میں پیش کرتی ہیں۔ جے گر نے 'ابتدائی' درمیانی اور بعد کے دور کی پیروی کرتا ہے، درمیانی دور میں افلاطون کی تردید کرتا ہے اور آخری دور، جس میں اس کی زیادہ تر تصنیفات شامل ہیں، زیادہ عملی حیثیت رکھتی ہیں۔

یہ بات یقینی نہیں ہے کہ ارسطو کی ایک مخصوص تصنیف کب تحریر میں آئی۔ ڈبلیو۔ ڈی۔ راس[25] (ارسطو، 1953) یہ فرض کرتا ہے کہ ارسطو کی تصانیف،

---

19. پی تھی آس : PYTHIAS
20. ہرتی لیس : HERPHYLLIS
21. اینٹی پیٹر : ANTIPATER
22. سرگس : LACURGUS
23. اہل ایتھنز کا نظامِ حکومت : ON THE POLITY OF ATHENIANS
24. ورنر جے گر : WERNER JAEGER
25. ڈبلیو۔ ڈی۔ راس : W.D. ROSS

LIBRARY Hyderabad

افلاطون کے اثر سے مسلسل اس کی علیحدگی کی بنا پر تحریر میں آئیں۔ اس کے مکالمے، خاص طور پر فن خطابت کا رسالہ[26] (گریے لس، بھی[27]) روح[28] (این ڈے مس، بھی[29]) فلسفہ کی تصنیف 'اکیڈمی' کے قیام کے دوران ہوئی۔ سکندر، اور بادشاہت، جیسے مکالمے اس وقت یا اس کے بعد تحریر میں آئے جب سکندر نے اقتدار حکومت سنبھالا۔ 347-335 قبل مسیح کے درمیان اس کی تصانیف 'آرگے نن[30] فزکس، ڈی ڈیلے[31] ڈی اینی ما[32] کا ایک حصہ، اور' میٹا فزکس 'شادکیشی[33] نظامِ اخلاقیات' اور سیاست' کا بیشتر حصہ یہ تمام تصانیف کردار کے لحاظ سے افلاطونی ہیں لیکن مکالمات کی شکلیں ہیں۔ لے سی ام کی سربراہی کے دور میں باقی تمام تصانیف تحریر میں آئیں خاص طور پر علم کائنات البحر[34] نفسیات اور حیاتیات پر تصانیف، دساتیر، 'نکومیشین'، 'اخلاقیات' اپنے بیٹے کے، نام پر (والد کے نام پر نہیں) 'ہرفے لیس[35] سے مائی کومے لے کس[36] 'شاعرانہ' اور 'سیاست'۔

ارسطو کا سیاسی نظریہ اس کی تصنیف 'سیاست[37]' میں خاص طور سے ملتا ہے۔ اگر چہ اس کی سیاسی فکر کے حوالے 'نکومیشین اخلاقیات' میں بھی ملتے ہیں۔ اس کی تصنیف 'دساتیر' اس کے 158 دساتیر کے مطالعہ کے بنیاد پر، نظام حکومت کا تجزیہ کرتی ہے اس کی دوسری کسی بھی تصنیف کی طرح نہیں جو لکچر نویسی کی شکل میں ملتی ہے۔ ان میں قابلِ ذکر 'ایتھنز کا دستور' ہے (دیکھئے: بارکر[38] 'افلاطون اور ارسطو کی فکر سیاسی' 1948) اور ایسے بہت سے مضامین پر مشتمل ہے جس کے متعلق عالموں کے درمیان اتفاق نہیں ہے۔ جے گر دلیل پیش کرتا ہے کہ 'اصلی سیاست' (باب (2,3,7,0) جو حوصلہ افزائی میں افلاطونی ہے اور جس کا تعلق اس کی مثال ریاست یا پھر ممکنہ بہترین ریاست سے ہے، اور حقیقت میں 'ارسطوئی ریاست' (باب 4,5,6) جس میں حقیقی سیاسی دنیا میں کس طرح سیاست کام کرتی ہے، اس کا عملی تجزیہ ہے دونوں کے درمیان فرق ہے۔ 'سیاست' کے آٹھویں حصہ کو اس کے ذریعہ ارسطو کے داخلی ارتقاء کی بنیاد پر بار کرنے ترتیب دیا۔ ابتدائی تین کتابیں، ابتدائی اصولوں اور تنقید کی شروعات سے متعلق ہیں، چوتھی اور پانچویں کتابیں (روایتاً ساتویں اور آٹھویں کتابوں کی حیثیت سے ترتیب دی گئی ہیں) مثالی یا بہتری ممکنہ ریاست سے متعلق ہیں آخری تین کتابیں یعنی چھٹی سے آٹھویں (روایتاً، چوتھی سے چھٹی) حقیقی ریاستوں سے متعلق ہیں اور انقلابات کی وجوہات اور نتائج سے بحث کرتی ہیں۔

3.2.3 طریقۂ استدلال

ارسطو کا طریقۂ استدلال، افلاطون سے مختلف تھا۔ افلاطون نے سیاست کے مطالعہ کے لئے فلسفیانہ طریقہ اختیار کیا جب کہ ارسطو نے سائنسی اور تجزیہ طریقہ استعمال کیا۔ افلاطون کا طرز تقریباً شاعرانہ ہے، جب کہ ارسطو کا طرز نثری ہے۔

اگر چہ ارسطو کا طریقہ مطالعہ سائنسی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ تاریخی، تقابلی، استخراجی اور مشاہداتی ہے۔ بارکر تبصرہ کرتا ہے کہ ارسطو کا طریقہ سائنسی ہے، اس کی تصنیفات باضابطہ ہیں، تجزیاتی ہیں۔ ارسطو کا ہر مضمون ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے: ''مشاہدہ بتاتا ہے''— کہا جاتا ہے کہ ارسطو نے تقریباً ایک ہزار لوگوں کو اس کام کے لئے معمور کیا ہوا تھا اور وہ ایسی کوئی بھی بات قبول نہیں کرتا تھا جو سائنسی یا عملی طور پر ثابت نہ ہو۔ اپنے استاد افلاطون کے برخلاف جو عام بات سے خاص بات کی طرف پیش روی کرتا تھا، ارسطو نے خاص سے عام کی طرف راستہ اختیار کیا۔ افلاطون ان نتائج سے بحث کرتا تھا جو پہلے سے تصور کر لیے جاتے تھے جب کہ ارسطو، سائنسی طریقہ پر اپنے دلائل اور تجزیہ کی طاقت سے نتائج پر پہونچتا تھا۔ تجربیت ارسطو کی خوبی تھی۔ علم سیاست میں ارسطو کا خاص کارنامہ یہ ہے کہ وہ موضوع سیاست کو ان طریقوں کے دائرہ میں لایا جو فطرت کے دوسرے پہلوؤں کی تحقیق کے لئے استعمال ہوتے تھے۔ ارسطو علم حیاتیات کے ایک ماہر کی طرح سیاسی زندگی میں فروغ کو اسی طرح دیکھتا ہے جیسے وہ دوسرے فطری مظاہر کی فروغ پاتی ہوئی زندگی کو دیکھتا ہے۔ ابراہم ایڈل، ارسطو کے یہاں سائنسی تحقیقی پہلوؤں کی شناخت کرتا ہے۔ ایسے کچھ پہلو یہ ہیں: ''اس کا (ارسطو کا) باضابطہ علم کا نظریہ فہم و ادراک پر منحصر ہے۔'' مزید یہ کہ ''ہر شعبہ میں بنیادی خیالات اور رشتے، ایک استقرائی عمل کے نتیجہ کے طور پر، براہ راست عبور کئے گئے ہیں''، باقاعدہ مشاہدہ، عام رائے اور روایتی عام تصور کے طریقوں سے گوشوارے حاصل کئے گئے ہیں۔ ''ایک دوسرے کے متبادل توضیحات کی تجزیاتی تبدیلی سے عام اصول اخذ

26. فن خطابت کا رسالہ : RHETORIC
27. گریے لس : GRYLUS
28. روح : ON THE SOUL
29. این ڈے مس، بھی : ENDEMUS
30. آرگے نن : ORGANON
31. ڈی ڈیلے : DE DAELE
32. ڈی اینی ما : DE ANIMA
33. شادکیشی : EUDEMIAN ETHICS
34. علم کائنات البحر : METEOROLOGICAL
35. ہرفے لیس : HERPYLLIS
36. مائی کومے کس : MICOMACHUS
37. سیاست : THE POLITICS
38. بارکر : BARKER

ہوتے ہیں''، ''جن کو ہم یکساں قسم کے نظام کہتے ہیں، جن ک y بنیادی فلسفہ کو تلاش کیا جاسکتا ہے اور فہم وادراک سے ان کا خاکہ تیار کیا جاتا ہے، وہ تکثیری ہے''، ''مادہ اور شکل میں نسبتاً تجزیاتی نظریے ہیں، نظریہ قوت کی رو سے، مادہ کو صلاحیت کے طور پر پہچانا جاتا ہے''۔

ارسطو کے طریقۂ استدلال کی اہم خصوصیت کو مختصر طور پر ذیل میں بیان کیا جاسکتا ہے:

(الف) استقرائی اور استخراجی: افلاطون کا طریقہ استقرائی سے زیادہ، استخراجی ہے۔ جبکہ ارسطو کا طریقہ استخراجی سے زیادہ، استقرائی ہے۔ ارسطو کے طریقہ استخراجی کے پہلو یا خصوصیات کافی حد تک دکھائی دیتی ہیں لیکن افلاطون کا استدلال حاشیوں میں ہی باقی ہے۔ ارسطو کی تصنیف ''نیکومیشن اخلاقیات'' میں اصولی فکر اور اخلاقی زندگی کے تصور موجود ہیں۔ اس کی تصنیف 'سیاست' سے متعلق بھی یہی بات سچ ہے۔ افلاطون کی طرح ارسطو بھی ایک 'اچھی زندگی' کا تصور رکھتا ہے (اس کی استخراجی فکر) لیکن وہ ایک 'اچھی' اور 'باعزت زندگی' کی تعمیر استقرائی طریقہ سے کرتا ہے جس میں ریاست، خاندانوں اور دیہاتوں کا ایک اجتماع ہے جو انسان کی مادی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے وجود میں آیا ہے۔ اس کا استقرائی طریقہ، ریاستوں کی تقسیم پر مجبور کرتا ہے جب وہ ان کا مشاہدہ کرتا ہے لیکن بہترین ریاست اس کی نگاہ سے بھی غائب نہیں ہوتا جس کا وہ تصور ذہن میں رکھتا ہے۔

(ب) تاریخی اور تقابلی: سیاسی نظریہ کے مطالعہ میں ارسطو کو بجا طور پر تاریخی اور تقابلی طریقہ کا باب کہا جاسکتا ہے۔ تاریخ کو تمام رازوں کی کنجی قرار دیتے ہوئے، حال کو سمجھنے کے لئے ارسطو ماضی میں سفر کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کا تمام مطالعہ تاریخی تجزیہ پر مبنی ہے: انقلاب کی وجوہات اور اس کے بیان کی نوعیت جس پر ارسطو اپنی تصنیف 'سیاست' میں بحث کرتا ہے، ان کو تاریخی نقطۂ نظر سے دیکھا گیا ہے۔ مطالعہ کے تقابلی طریقہ کو ارسطو نے گہرائی کے ساتھ اور وسیع پیمانہ پر استعمال کیا۔ اس کے ذریعہ ریاستوں کی تقسیم اور ساتھ میں تبدیلی کا سلسلہ، اپنے زمانے کے دساتیر کے گہرے مطالعہ پر مبنی ہے۔ تقابلی تجزیہ کے ذریعہ، وہ ریاستوں کی خالص اور بگڑی ہوئی اشکال کی بات کرتا ہے۔

(ج) غایاتی اور تمثیلی: سیاسی نظریہ کی تحقیق کے لئے ارسطو نے غایاتی اور تمثیلی طریقے اختیار کئے۔ دست کاری کے نمونے کو استعمال کرنے میں اس کا طریقہ غایاتی تھا۔ ارسطو نے زور دیا کہ فطرت ایک فنکار کی طرح کام کرتی ہے، اس عمل سے وہ مقصد حاصل کرلیتی ہے جس کے لئے اس کا وجود قائم ہے۔ ارسطو کہا کرتا تھا، فطرت نے بغیر مقصد کے کچھ نہیں کیا۔ انسان معاشرہ میں اپنی ترقی حاصل کرنے کے لئے زندہ رہتا ہے، ریاست اس مقصد کو حاصل کرنے میں اس کی مدد کرتی ہے۔ اپنے استاد افلاطون کی پیروی کرتے ہوئے ارسطو نے ایک حکمراں اور ایک فنکار، ایک مدبر، ایک طبیب کے درمیان بہت یکسانیت پائی۔

(د) تجزیاتی اور مشاہداتی: ارسطو کا طریقہ تجزیاتی اور مشاہداتی دونوں ہی تھا۔ اپنے مکمل فکری عمل میں اس نے فکر سے زیادہ مشاہدہ کیا۔ اس کے تمام مطالعے، گوشواروں اور حقائق پر مبنی ہیں جو اس کے گہرے مشاہدہ میں آئے۔ اپنے مطالعہ، تجربہ اور مشاہدہ کے ذریعہ ارسطو نے چیزوں کا تجزیہ کیا اور نتائج تک پہونچا۔ مثلاً، ریاست کی مجموعی حیثیت کو ارسطو نے سلسلہ وار اجزاء کے بیان کے ذریعہ پیش کیا ـــــ خاندان اور دیہات۔ وہ انسان کو ایک سماجی حیوان قرار دیتا ہے۔ خاندان کو فطرت انسانی کی توسیع سمجھتا ہے، دیہات کو خاندان کی توسیع اور اس کی فطرت میں ریاست کی توسیع مانتا ہے۔

3.3 ارسطو کے سیاسی نظریہ کی فلسفیانہ بنیادیں
Philosophical Foundations of Aristotle's Political Theory

3.3.1 افلاطون اور ارسطو

ایسا بہت کچھ تھا جس نے ارسطو کو افلاطون سے، شاگرد کو استاد سے علیحدہ کیا۔ زندگی سے متعلق ان کے خیالات مختلف تھے، دنیا کے متعلق ان کی بصیرت میں فرق تھا، ان کی پہونچ بھی مختلف تھی جس کے مطابق، ان کے نتائج بھی متفرق تھے۔ میکسے تحریر کرتا ہے: ''جہاں افلاطون نے اپنے تصور کو فضا میں اڑان بھرنے دی وہاں ارسطو حقیقت پسند اور غیر محرک ہے۔ جہاں افلاطون فصیح وخوش بیاں ہے وہاں ارسطو جامع ومختصر ہے۔ جہاں افلاطون منطقی عام نتائج سے پھاندتا ہے، ارسطو بہت سے حقائق سے رفتہ رفتہ نتائج کی جانب گامزن ہوتا ہے جو بادلیل ہے لیکن آخری نہیں۔ جہاں افلاطون بہترین طریقہ سے تصور کی

بناپر اپنی مثالی ریاست دیتا ہے وہاں ارسطو ہم کو مادی ضروریات پر مبنی ایک ماڈل اسٹیٹ کا خاکہ پیش کرتا ہے جس کو حالات کے مطابق ڈھالتے ہوئے تعمیر کیا جا سکتا ہے۔

ارسطو افلاطون کا شاگرد تھا لیکن وہ اس کا ناقد بھی تھا۔ چنانچہ افلاطون کے خلاف ارسطو کو پیش کرنا عام بات ہے جیسا کہ اینڈریو ہیکر[39] (’سیاسی نظریہ، 1961) واقعی کرتا ہے۔ ایک کو سائنس داں ہونے کی تحسین و آفرین کا نعرہ دیا جاتا ہے تو دوسرے کو ایک فلسفی ہونے کا، ایک مصلح ہے تو دوسرا انقلابی ہے، ایک سیاسی حقیقت پسندی کی وکالت کرتا ہے تو دوسرا سیاسی عینیت کا حامی ہے، ایک کسی مخصوص نکتہ سے شروع کرتا ہے اور عام بات پر پہونچتا ہے جب کہ دوسرا عام بات سے شروع کرتا ہے اور خاص بات سے شروع کرتا ہے۔

ارسطو نے، درج ذیل باتوں کی بنیاد پر افلاطون کی تنقید کی۔ افلاطون کے خلاف اس کی اہم شکایت یہ تھی کہ اس نے تجربہ سے خود کو دور رکھا۔ ارسطو کہتا ہے: ’’ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ہمیں زمانوں کے تجربات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ اگر وہ چیزیں اچھی تھیں تو سالہا سالوں میں غیر مقبول نہیں رہی ہوں گی۔‘‘ اس نے قبول کیا کہ افلاطون کی تصانیف ’’بہترین اور معنی خیز تھیں لیکن اسی کے ساتھ ساتھ‘‘ انقلابی اور خیالی بھی تھیں (دیکھئے: سبائن، سیاسی نظریہ کی تاریخ)، پہلا انڈین ایڈیشن، 1973)۔

ارسطو نے افلاطون کی ریاست بحیثیت ایک مصنوعی تخلیق، کی تنقید کی جو تین سلسلہ وار مراحل میں مرتب کی گئی جس کی شروعات پیداواری طبقہ سے ہوئی، اس کے بعد معاون طبقہ اور پھر حکمراں طبقہ— افلاطون نے ایک معمار کی طرح ریاست کی تعمیر کی۔ اس کے قطعی برخلاف ارسطو نے ریاست کو ایک فطری تنظیم قرار دیا جو ارتقاء اور نشو و نما کا نتیجہ تھی۔ اس کا کہنا ہے کہ موجودہ معاشرہ سے پہلے کے معاشرہ کی مختلف اشکال، فطری تھیں۔ اسی طرح ریاست بھی فطری تھی۔ افلاطون کے شانہ بشانہ ارسطو، فرد کے لئے ریاست کی اہمیت کا اعتراف کرتا ہے۔ افلاطون کی طرح وہ بھی ریاست کو ایک انسانی نظام تسلیم کرتا ہے لیکن اس کے برخلاف ریاست میں وحدت تصور نہیں کرتا۔ ارسطو کے نزدیک ریاست، کثرت میں وحدت ہے۔

ارسطو افلاطون کے نظریۂ انصاف سے اتفاق نہیں کرتا کیونکہ وہ افلاطون کے برخلاف، فرائض کی ادائیگی سے ایک شخص کے حصول حقوق میں انصاف تلاش کرتا ہے۔ ارسطو کے نزدیک، انصاف ایک عملی طور پر سرگرم خوبی ہے، انسان کی اپنی فطرت کے مطابق کام کرنے میں انصاف پوشیدہ نہیں ہے۔ نوعیت کے اعتبار سے افلاطون کا انصاف اخلاقی تھا جب کہ ارسطو کا انصاف ضابطۂ عدالت سے متعلق تھا۔ درست اور واضح طریقہ سے کہا جائے تو قانونی نوعیت کا تھا۔ ارسطو تسلیم کرتا تھا کہ افلاطون کا انصاف اس حد تک نامکمل تھا جس حد تک وہ فرائض سے بہت متعلق تھا۔ اس نے حقوق کو کم یا زیادہ، نظر انداز کیا۔ دوسرے الفاظ میں، ارسطو نے افلاطون کے انصاف کو اخلاقی نوعیت کا عنوان دیا کیونکہ یہ کسی شخص کے فرض کی ادائیگی کو افضلیت دیتا تھا۔

ارسطو نے افلاطون کی مثالی ریاست کے تینوں طبقات کی توثیق نہیں کی۔ خاص طور پر ’’محافظ‘‘ کی جن کے پاس تمام سیاسی اقتدار تھا (اس طبقہ میں محافظ اور معاون شامل تھے) وہ ایک ہی طبقہ کو تمام طاقت واقتدار دئے جانے سے اتفاق نہیں کرتا تھا۔ ڈیوڈ ینگ[40] (خطیبانہ بحث ومباحثہ، 2001) کہتا ہے کہ ایک دوسرے سے گھلنے ملنے کی ممانعت نے ’’طبقات کے درمیان ان لوگوں کو تنہا کر دیا جو زیادہ اولوالعزم اور دانش مند ہو سکتے تھے لیکن معاشرہ کے اس طبقہ میں شامل نہیں تھے جن کے پاس سیاسی طاقت تھی‘‘ وہ مزید کہتا ہے، ارسطو نے اس حکمراں طبقاتی نظام کو ایک غلط نقطۂ نظر سے قیاس کردہ سیاسی نظام قرار دیا۔

اپنی تصنیف ’’جمہور‘‘ میں افلاطون، قانون کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا، اس کا خیال تھا کہ جہاں حکمراں راست باز اور نیک کردار ہوتے ہیں، وہاں قانون کی ضرورت نہیں۔ اور جہاں ایسے حکمراں نہیں ہوتے وہاں قانون بے کار ہے۔ ارسطو نے قانون کی اہمیت کو محسوس کیا۔ اس کا خیال تھا کہ انسانوں کی حکمرانی سے بہتر قانون کی حکمرانی کا دور تھا۔ خواہ حکمراں کتنے ہی عقلمند کیوں نہ ہوں۔ حتیٰ کہ افلاطون نے بھی قانون کی افادیت کو محسوس کیا اور اپنی تصنیف ’’قوانین‘‘ میں اپنے نقطۂ نظر پر، نظر ثانی کی۔

ارسطو کو افلاطون کی اس بات پر شک تھا کہ کیا بیویوں اور جائداد کی اشتراکیت، مطلوبہ اتحاد پیدا کرنے میں مددگار ثابت ہوگی۔ اس کی بجائے، وہ ان طریقوں کو ناقابل عمل قرار دیتا ہے کیونکہ جائداد کی اشتراکیت اختلافات پیدا کر سکتی تھی۔ خاندان کی اشتراکیت ایسے نظام کی جانب لے جا سکتا تھا جہاں محبت اور ضابطگی، ضائع ہو جاتے۔ ارسطو نے محسوس کیا کہ اشتراکی طریقوں کی تجویز سے افلاطون نے محافظ کو سزا دی اور اس طبقہ کو خاندان کی فطری محبت

39. اینڈریو ہیکر : ANDREW HACKER

40. ڈیوڈ ینگ : DAVID YOUNG

سے محروم کر دیا۔ افلاطون کی اشتراکیت نے ریاست کے ایسے خاندان کی تخلیق کی، بقول ارسطو، جو ایک مرکز کی جانب لے جاتی ہے، جہاں ریاست بحیثیت ریاست معدوم ہو جاتی ہے۔ سبائن[41] کہتا ہے: ''خاندان الگ ہے اور ریاست ایک مختلف چیز ہے۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ دونوں ایک دوسرے کو ناتواں یا کمزور کرنے کی کوشش نہ کریں''

ارسطو کے ذریعہ، افلاطون کی تنقید بار ہا شدید نوعیت کی معلوم ہوتی ہے۔ جن بنیادوں کا یہاں ذکر کیا گیا ہے لیکن یہ تنقید حقیقت پر مبنی ہے۔ ایک اور حقیقت یہ بھی ہے کہ خود ارسطو میں ایک افلاطون چھپا ہوا ہے۔ فوسٹر[42] اپنی کتاب فکر سیاسی کے استاد، 1969ء میں تبصرہ کرتا ہے: ''تمام افلاطونیوں میں سب سے بڑا افلاطون، ارسطو ہی ہے۔ اس پر افلاطونیت اس قدر چھائی ہوئی ہے کہ اس کے علاوہ کوئی بھی عظیم فلسفی کسی دوسرے فلسفی کے فکر کو اتنا جذب کیے ہوئے نہیں ہے''۔ ہر ورق جو ارسطو تحریر کرتا ہے، اس پر افلاطون کا نقش ہے۔ درحقیقت، جہاں افلاطون ختم کرتا ہے، وہاں سے ارسطو شروعات کرتا۔ ''تجاویز، خلائی پیکر یا تمثیلات کے طور پر افلاطون نے جن خیالات کا اظہار کیا، ان کو ارسطو نے اختیار کر لیا'' (ڈننگ[43]: سیاسی نظریات کی تاریخ، 1966 ایڈیشن) یہ کہنا ناانصافی نہیں ہوگی کہ شاگرد کو ہی استاد کی توسیع سمجھا جاتا ہے۔ افلاطون کے خیالات کو نقصان پہونچانے کی بجائے، ارسطو نے اسی کی بنیاد پر تعمیر کا کام کیا۔ راس[44] ('ارسطو' 1923) اشارہ کرتا ہے: ''لیکن اس کی (ارسطو کی) سائنسی تصانیف سے مختلف فلسفیانہ تصانیف کا کوئی فرق ایسا نہیں ہے جس پر افلاطونیت کے اثر کا نشان پنہاں ہے''۔ افلاطون اور ارسطو دونوں'' ایک خیالی تصویر سے شروعات کرتے ہیں، حقیقت کا محاسبہ کرتے ہیں اور پھر ایک ممکنہ نقطۂ پر ٹھہر جاتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے یہاں فطری عدم مساوات میں یقین ملتا ہے۔ جذبات پر عقل کا غلبہ، خود کفیل ریاست بحیثیت لازمی وحدت، انفرادی ترقی کے لیے ان سب میں یقین کی وجہ سے اپنے استاد افلاطون کی طرح، ارسطو بھی یہ فکر کرتا ہے کہ کسی انسان کی اخلاقی تکمیل صرف ریاست میں ہی ممکن ہے اور یہ کہ ریاست کا مفاد، عوام کا مفاد ہے جو اس کی تشکیل کرتے ہیں۔

درحقیقت، ارسطو کے ذریعہ افلاطون کی تنقید کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور یہ بھی سچ ہے کہ اس معاملہ میں وہ کوئی پشیمانی محسوس نہیں کرتا۔ ول ڈیورینٹ[45] درست کہتا ہے: ''جیسا کہ بروٹس (شیکسپیئر کے ڈرامہ جولیس سیزر، کا ایک کردار) نہ قیصر کو کم پیار کرتا اور نہ روم کو، اسی طرح ارسطو کہتا ہے— افلاطون بہت عزیز ہے، لیکن سچائی بھی عزیز ترین ہے''۔ اسی طرح اے بینس ٹائن[46] (عظیم سیاسی مفکرین،) میں لکھتا ہے: ''افلاطون نے اپنے فکر کی تصحیح خود اپنے شاگرد میں پائی''۔

3.3.2 سیاست اور اخلاقیات

ارسطو، افلاطون کے معیار کا فلسفی نہیں ہے لیکن اس کے سیاسی فکر کی فلسفیانہ بنیاد کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے پورے سیاسی نظریہ میں ایک فلسفیانہ بنیاد ہے۔ ارسطو کے یہاں خدا میں یقین موجود ہے۔ جو اس کو ایک روحانی نقطۂ نظر فراہم کرتی ہے، خدا کو ہر شے کا خالق قرار دیتے ہوئے، اس کے نظریہ کے دو پہلو ہیں: شکل اور مادہ۔ افلاطون کے برخلاف، ارسطو، مادہ کو اہمیت دیتا ہے جب کہ افلاطون اس بات میں یقین رکھتا ہے کہ جو کچھ نظر آتا ہے وہ کسی شکل کا سایہ ہے۔ دوسری جانب، ارسطو کا عقیدہ ہے کہ جو دکھائی دیتا ہے وہ اہمیت رکھتا ہے۔ اس حد تک جس حد تک وہ اس میں شامل مختلف جزئیات کا نتیجہ ہوتا ہے۔ شکل اس کو سرگرم کرتی ہے، رہنمائی کرتی ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے جو اخلاقی ہے ارسطو کو یہ بھی یقین ہے کہ انسان کی روح کے دو پہلو ہوتے ہیں— منطقی اور غیر منطقی۔ اخلاقی خوبیوں کے ذریعہ انسان فہم و ادراک حاصل کرتا ہے۔ یعنی روح کا منطقی پہلو۔

ارسطو، سیاسی حقیقت پسند ہے لیکن اس میں بھی سیاست سے نگاہ نہیں ہٹائی جو اپنے اخلاقی مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے موجود ہے۔ درحقیقت، ارسطو سیاست کو اخلاقیات سے علیحدہ علم تصور نہیں کرتا۔ سیاست۔ اخلاقیات کی تکمیل و توثیق ہے بالفاظ دیگر، ارسطو کے خیال میں، اخلاقیات کا بدستور جاری و ساری رہنا ہی سیاست ہے۔ ارسطو کے نقطۂ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے، کہنا ہوگا کہ خوشی حاصل کرنا، انسانی فطرت کا حصہ ہے۔ معاشرہ میں رہنا بھی انسانی فطرت ہے۔ ہم معاشرتی حیوان ہیں۔ ریاست، خاندان سے برادری کی جانب ترقی کی ایک شکل ہے اور خاندان کی اعلیٰ شاخ۔ اس کو ابتداً فطری ضروریات کی تسکین کے لیے بتایا گیا۔ ریاست، اخلاقی مقاصد اور خاندان کے فروغ کے لیے وجود قائم رکھتی ہے یہ فطرتاً اس لیے وجود میں آئی کہ انسان کی

---

41. سبائن : SABINE

42. فوسٹر : FOSTER: MASTERS OF POLITICAL THOUGHT, 1969

43. ڈننگ : DUNNING A HISTORY OF POLITICAL THEORIES, 1966 ED

44. راس : ROSS: ARISTOTLE,1923

45. ول ڈیورینٹ : WILL DURANT

46. اے بینس ٹائن : EBENSTEIN

فطری ضروریات کی تکمیل کر سکے۔ ریاست اخلاقی مقاصد اور اعلیٰ انسانی زندگی کے لیے قائم رہتی ہے۔ انسانوں کی ترقی میں اضافہ کرنے کے لیے ریاست ایک اصلی اخلاقی تنظیم ہے، نکوشین اخلاقیات، میں، ارسطو وضاحت کرتا ہے: ''ہم ایک سیاسی شے کو برتر تسلیم کرتے ہیں جس کا مقصد برادری کے ارکان کے لیے ایک اچھی اور باعزت زندگی ہے''۔ اخلاقیات اس کے سیاسی نظریہ کی رہنما ہے۔ سیاسی اور اخلاقی زندگی کے مابین باہمی رابطہ قائم کرنے کے لیے ہے۔ اس کی اپنی تصنیف 'نکوشین اخلاقیات'، دوسری تصنیف 'سیاست' کے لیے حوصلہ افزاء ہے۔

1) ارسطو کے خیال میں 'ریاست' محض ایک سیاسی معاشرہ نہیں ہے، اس کے ساتھ ساتھ یہ ایک حکومت بھی ہے، ایک ادارہ ہے، اخلاقیات ہے اور ایک تہذیب ہے۔ یہی انسان کی مکمل زندگی کو پیش کرتی ہے، انسان کو ایک بہتر زندگی عطا کرتی ہے جس سے مراد، ایک اخلاقی اور اصولی زندگی ہے۔

2) اپنی تصنیف 'نکوشین اخلاقیات' میں وہ یہ بیان کرتا ہے کہ انسان کے اندر کون سی اخلاقی خوبیاں ہونی چاہئیں۔ 'سیاست' میں بھی وہ شہری کی خوبیوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ ایک اچھا انسان ہی اچھا شہری بن سکتا ہے ایک اچھے انسان کی طرح، ایک اچھے شہری میں بھی باہمی تعاون، قوتِ برداشت، قوت نفس جیسی خوبیاں ہونی چاہئیں جن کے متعلق ارسطو کا خیال ہے کہ یہ خوبیاں عمل سے حاصل ہوتی ہیں۔ لہٰذا عمل یا مشق خوبیاں حاصل کرنے میں مدد گار رہوتا ہے اور سیاست، اخلاقی مقاصد حاصل کرنے میں معاون ہوتی ہے۔

3) اخلاقیات اور سیاست باہم اس طرح مربوط ہیں کہ سیاست کے ذریعہ ہی، بقول ارسطو، ہم اخلاقی زندگی پائیں گے۔ اس کے خیال میں، جس طرح سیاست عمل کی سائنس ہے اسی طرح اپنی سرگرمیوں کے ذریعہ ہم اخلاقی خوبیاں حاصل کرتے ہیں۔ اس نے خلاصہ کیا کہ یہ ہمارے اختیار میں ہے کہ ہم اچھی صفات حاصل کرنا چاہتے ہیں یا بری صفات۔ اپنی کوشش سے ہم صلاحیتیں حاصل کر سکتے ہیں اور وہ ترک کر سکتے ہیں جو اچھا نہیں ہے۔

4) ارسطو کے سیاسی نظریہ کی بنیاد ی اس کا اخلاقی فلسفہ ہے۔ اخلاقیات کے موضوع پر اپنی تحریروں میں وہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ انسانی، حیوان سے اس قدر مختلف ہے کہ وہ حیوانوں کے مقابلے میں زیادہ سرگرم اور عقل وفہم کا مالک ہے۔ فہم وادراک کے ذریعہ اس کے اندر موجود دانش مندی کی وجہ سے انسان وہی عمل کرتا ہے جو اس کے مفاد میں ہوتا ہے۔ یا اس معاشرہ کے مفاد میں ہوتا ہے جس کا وہ حصہ ہے۔ انسان وہی حاصل کرتا ہے جو اس کے ساتھیوں اور خود اس کے لیے مفید ہوتا ہے۔ ارسطو کا خیال تھا کہ انسان نے، حیوان نے نہیں، اخلاقیات کے سبق سیکھے۔

5) ارسطو کے سیاسی اور اخلاقی نظریہ میں گہرا رشتہ ہے۔ مثلاً، اس کا نظریۂ انصاف اخلاقی سمت میں متعین ہے۔ ارسطو کے خیال میں، انصاف ایک صفت ہے، ایک مکمل خوبی۔ اخلاقیات مجسم ہے اور وہ سب کچھ ہے جو اچھا ہے۔ نکوشین اخلاقیات، میں یہی اس کا نظریۂ انصاف ہے۔ اس کی دوسری تصنیف 'سیاست' میں یہ خیال کہ انصاف قابلِ تقسیم ہے، اس کے نظریہ متناسب مساوات سے مربوط ہے جس کے معنی، ارسطو کے مطابق، برابر حیثیت نہیں رکھنے والوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتا ہے۔ اخلاقیات محض اس کے سیاسی نظریہ کی بنیاد ہی نہیں ہے یہ اس کی حوصلہ مندی کو قائم رکھتا ہے۔ اس کے سیاسی خیالات پر بحث کے دوران کہیں بھی ارسطو کسی چیز کو غیر اخلاقی نہیں کہتا۔

3.4 ارسطو کے سیاسی خیالات — Political Ideas of Aristotle

3.4.1 نظریۂ انصاف

اپنے استاد افلاطون کی طرح ارسطو کو بھی یقین تھا کہ انصاف، ریاست کی روح ہے اور یہ کہ کوئی بھی سیاسی معاشرہ زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہ سکتا جب تک کہ وہ اپنی بنیاد انصاف کے ایک درست منصوبہ پر قائم نہ کرے۔ اس کو ذہن نشین رکھتے ہوئے، ارسطو اپنا نظریۂ انصاف پیش کرتا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ انصاف، ریاست کو ایک نصب العین دیتا ہے اور فرد کو ایک مقصد: ''جب مہارت حاصل ہو جائے، تو انسان تمام حیوانوں میں سب سے بہتر حیوان ہو جاتا ہے لیکن اگر قانون اور انصاف سے دور ہو جائے تو وہ ان میں سب سے خراب ہو جاتا ہے''۔

اپنے استاد افلاطون کی طرح، ارسطو نے بھی انصاف کو سیاسی معاشرہ کی رواداری قرار دیا۔ ارسطو کے مطابق، انصاف خوبی ہے، ایک مکمل خوبی اور تمام نیکیوں کا مجموعہ، خوبی سے بہتر کوئی چیز نہیں، یہ خوبی ہی ہے اور صرف عمل کی خوبی۔

انصاف ایک خوبی، ایک نیکی ہے۔ یہ نیکی سے بھی زیادہ ہے۔ یہ عمل کی نیکی ہے مشق کی نیکی ہے۔ مثلاً فہم وادراک ایک خوبی ہے لیکن فہم وادراک پر مبنی مناسب عمل انصاف ہے۔ سچائی ایک خوبی ہے لیکن سچا ہونا انصاف ہے۔ کسی خوبی کو انصاف میں کیسے تبدیل کیا جاسکتا ہے اس خوبی پر عمل کے ذریعہ۔ اس لیے ارسطو کا قول ہے: ''سیاست کے میدان میں اچھائی، انصاف ہے اور انصاف اس عمل میں شامل ہوتا ہے جو مفادِ عامہ کو فروغ دیتا ہے''۔

ارسطو کے خیال میں، انصاف کچھ کم اہم نہیں ہے کیونکہ وہ انصاف کو ریاست کی اہم خوبی قرار دیتا ہے انصاف ہی ریاست کی تعمیر کرتا ہے، اس کو بصیرت فراہم کرتا ہے اور اخلاقیات کے ساتھ مل کر ریاست کو تمام اخلاقی اقدار کی بلندیوں تک پہونچاتا ہے۔ انصاف، ریاست کو تباہی سے محفوظ رکھتا ہے۔ یہ ریاست اور سیاسی زندگی کو خالص اور صحت مند بناتا ہے۔ راس کہتا ہے: ''اس لفظ کے دو معنی کو تسلیم کرتے ہوئے ارسطو پہل کرتا ہے۔ درست یا منصفانہ کے معنی سے ہم سمجھ سکتے ہیں جو قانونی ہے، منصفانہ اور مساواتی ہے''۔

ارسطو کے مطابق، انصاف خواہ عام ہو یا مخصوص، عام انصاف کا حصہ ہوتا ہے مکمل خوبی کا حصہ ہوتا ہے۔ بقول ارسطو: ''انصاف عامہ مکمل اچھائی ہے — ہر معنی میں مکمل ہے کیونکہ یہ نہ صرف فرد کے ذاتی مفاد بلکہ اپنے پڑوسیوں کے حق میں مکمل نیکی کی مشق ہے۔ مخصوص انصاف، انصاف عامہ کا حصہ ہے۔ اسی لیے مکمل اچھائی کا بھی حصہ ہے جس کا ایک خاص حصہ یعنی انصاف، خاص حاصل کرنے والا وہ شخص ہے جو قانون کی پیروی کرتا ہے اور جس کا وہ حقدار ہے اس سے زیادہ حق کا طالب نہیں ہے''۔

انصاف خاص، دو قسم کا ہوتا ہے — تقسیمی اور درست۔ ارسطو کے مطابق، تقسیمی انصاف حاصل کرنے والوں کو، ان کی صلاحیتوں اور اہلیت کی بنا پر انعامات اور اعزازات دیتا ہے — برابر حیثیت والوں کے ساتھ برابری کا سلوک اور برابر حیثیت کے غیر حامل کے ساتھ عدم مساوات کا سلوک۔ درست انصاف متعلق فریقین کی حیثیت کو خاطر میں نہیں لاتا۔ بلکہ سادہ طریقہ سے دونوں کے درمیان مساوات قائم رکھتا ہے۔ جس کو انصاف نہیں ملا اس کو انصاف دلانا اور جس نے دوسروں کو انصاف نہیں دیا اس کو سزا دلانا۔

افلاطون اور ارسطو کے نظریات انصاف کا مقابلہ درج ذیل طریقہ سے کیا جاسکتا ہے:

i) افلاطون کے خیال میں، کسی فرد کا اپنی قابلیت اور اہلیت کے مطابق فرائض انجام دینا، انصاف ہے، ارسطو کے خیال میں، انصاف وہ انعام ہے جو فرد کو حصہ داری کے مطابق ملتا ہے۔

ii) افلاطون کا انصاف، فرائض سے مربوط ہے۔ یہ فرض کی بنیاد پر متعین وقائم ہے۔ جب کہ ارسطو کا انصاف، حقوق سے مربوط ہے یہ حقوق کی بنیاد پر متعین وقائم ہے۔

iii) افلاطون کا نظریہ انصاف لازمی طور پر اخلاقی اور فلسفیانہ ہے جب کہ ارسطو کا نظریہ قانونی ہے۔

iv) دونوں قابلِ تقسیم نظریہ انصاف کے حامی ہیں۔ افلاطون کے یہاں اس کے معنی تھے انفرادی مہارت اور اپنے فرائض کی ادائیگی۔ جب کہ ارسطو کے یہاں اس کے معنی تھے کہ لوگ جس کے حقدار ہیں وہی حق ان کو ملنا چاہیے۔

v) افلاطون کا انصاف روحانی ہے، ارسطو کا عملی ہے یعنی یہ عمل کی خوبی ہے، مشق میں اچھائی ہے۔

vi) افلاطون کا انصاف، انسان کے باطن سے متعلق ہے جو براہِ راست روح سے ماخوذ ہے ارسطو کا انصاف، انسان کے اعمال سے متعلق ہے یعنی اس کی باہری سرگرمیوں سے ہے۔

ارسطو کا نظریہ انصاف دنیاوی ہے، انسان کی عملی زندگی سے جڑا ہوا ہے اور ان تمام اخلاقی خوبیوں سے بھی مربوط ہے جو اس کی رہنمائی کرتی ہیں۔ لیکن وہ انصاف کے اخلاقی زاویہ کو قانونی زاویہ سے جوڑنے میں ناکام رہا۔ اس کا تقسیمی انصاف (فرد کی صلاحیتوں کے مطابق انعامات)، سیاسی دنیا کی سچائیوں سے بہت، بہت دور ہے۔ حقیقت میں ہمیشہ روز افزوں آبادی اور ریاست کے درمیان توازن قائم کرنا بہت مشکل ہے۔

IMC LIBRARY Hyderabad

3.4.2 جائداد، خاندان اور غلامی

ارسطو کے نظریہ جائداد کی بنیاد افلاطون کے اشتراکی جائداد کے نظریہ کی تنقید پر ہے۔ جائداد کے متعلق افلاطون کا خیال تھا کہ یہ ریاست کی بہتر کارکردگی میں روکاوٹ ہے۔ لہذا اس نے محافظ، طبقہ کے لیے اشتراکیت کی تجویز پیش کی۔ لیکن ارسطو کے خیال میں، (انسان کی فطری خواہش جائداد کا مالک ہوتا ہے) اس خواہش کے پورا ہونے سے جونفسیاتی سکون حاصل ہوتا ہے وہ صرف جائداد ہی دے سکتی ہے۔ افلاطون کے خلاف ارسطو کو خاص طور پر یہ شکایت تھی کہ وہ پیداوار اور تقسیم کے دعوؤں کے درمیان توازن قائم کرنے میں ناکام رہا۔ افلاطون کی اشتراکیت جائداد کے مطابق پیداوار حاصل کرنے والوں کو اپنی کوششوں کا انعام نہیں ملتا اور جو پیدا نہیں کرتے (حکمراں اور معاون فوجی) وہ زندگی کی تمام آسائشیں حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ اس نتیجہ پر پہونچتا ہے کہ بالآخر جائداد کی اشتراکیت، تنازعوں اور اختلافات کی جانب لے جاتی ہے۔ اس کا خیال تھا کہ جائداد ان لوگوں کے لیے ضروری ہے جو پیداوار کرتے ہیں اور اس وجہ سے جائداد سب کے لیے ضروری ہے۔ پروفیسر میکسے جو کہتا ہے وہ ارسطو کی زبان معلوم ہوتی ہے: ''انسان کو کھانا چاہیئے، خوشی چاہیئے، پناہ چاہیئے اور ان سب کے لیے جائداد کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ خواہش فطری ہے اور مناسب بھی کیونکہ فطرت نے حیوانات کو بھی سہولیات فراہم کی ہیں اور زندہ رہنے اور پیداوار کی تسکین کے لیے ذریعہ مہیا کرانے کے لیے جائداد ضروری ہے''۔ افلاطون خود کہتا ہے: ''دولت (جائداد) اشیاء کا گودام ہے۔ جو معاشرہ میں رہنے والوں کے لیے ضروری ہے''۔

ارسطو کے خیال میں، ''جائداد، گھر کے ساز و سامان کا ایک حصہ ہے۔ اور جائداد حاصل کرنے کا فن، گھر چلانے کا ایک حصہ ہے کیونکہ کوئی بھی شخص ایک اچھی زندگی بلکہ زندگی ہی نہیں گزار سکتا جب تک کہ اس کی ضروریات پوری نہ ہوں''۔ جائداد کی ملکیت سے متعلق ارسطو نے حوالہ دیا: (i) انفرادی ملکیت اور انفرادی استعمال جو، ارسطو کے نزدیک، سب سے زیادہ خطرناک صورت حال ہے، (ii) عام ملکیت اور انفرادی استعمال، وہ صورت حال ہے جو سوشلزم سے شروع ہوتی ہے اور سرمایہ داری پر ختم ہوتی ہے، چنانچہ یہ بھی قابل قبول نہیں؛ (iii) مشترکہ ملکیت اور مشترکہ استعمال یہ طریقہ قابل عمل نہیں ہے۔ (iv) انفرادی ملکیت اور مشترکہ استعمال ایک ایسا طریقہ ہے جو عام طور پر ممکن اور قابل قبول ہے۔ ارسطو کے الفاظ میں: عام اور خاص طور پر جائداد نجی ہونی چاہیئے لیکن اس کا استعمال عام ہو''۔

نجی جائداد ضروری ہے اور اسی لئے حق بجانب بھی ہے۔ یہی ارسطو کا مفروضہ ہے لیکن اس کو ایمانداری سے حاصل کیا جائے: ''دولت حاصل کرنے کے تمام ذرائع میں سے ایک ذریعہ سود الینا، سب سے زیادہ غیر فطری ہے''۔ ارسطو دولت کے انبار لگانے کے خلاف تھا۔ اس لیے اس نے کہا: ''بہت زیادہ دولت (جائداد) حاصل کرنا اتنی بڑی غلطی ہوگی جیسے حد سے زیادہ بھاری ہتھوڑا اٹھالینا''۔

افلاطون کے برخلاف، ارسطو نے نجی خاندانی نظام کی وکالت کی۔ ارسطو کے مطابق، خاندان، معاشرتی نظام کی ابتدائی اکائی ہے جو نہ صرف معاشرہ کی تعمیر کرتی ہے بلکہ یہ سلسلہ جاری رکھتی ہے۔ افلاطون کے خاندانوں کے اشتراکی نظام پر تنقید کرتے ہوئے، ارسطو تحریر کرتا ہے۔ ''وہ جو زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لیے عام ہے اس کی کم از کم پرواہ کی گئی ہے۔ ہر شخص صرف اپنے مفاد کے بارے میں سوچتا ہے اور عام مفاد کے متعلق مشکل سے ہی غور کرتا ہے صرف اس وقت جب کہ وہ خود کو ایک فرد، دوسرے معاملات کے علاوہ تصور کرتا ہے۔ ہر شخص اس چیز کو نظر انداز کرنا پسند کرتا ہے جس کے بارے میں وہ سمجھتا ہے کہ دوسرے اس کو انجام دیں گے۔ خاندانوں میں بہت کم افراد سوائے چند کے، مفید ثابت ہوتے ہیں۔ ہر شخص کے ہزاروں بیٹے ہوں گے لیکن کوئی ایک بھی اس کا نہ ہوگا۔ ہر کوئی کسی کا بیٹا ہوگا اور اس کو سب، ایک ہی طریقہ سے نظر انداز کریں گے''۔

ارسطو کا یقین تھا کہ خاندان وہ ادارہ ہے جس میں کوئی فرد پیدا ہوتا ہے، پرورش پاتا ہے، اپنی شناخت، ایک نام اور سب سے بڑھ کر ذہنی نشو نما حاصل کرتا ہے۔ وہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ خاندان، معاشرتی نیکی کی ابتدائی درسگاہ ہے جہاں بچہ کو معیاری سبق دیے جاتے ہیں جیسے باہمی تعاون، شفقت، قوتِ برداشت اور قربانی، یہ محض ابتدائی انجمن نہیں ہے بلکہ معاشرہ کا ایک ضروری عمل بھی ہے۔ جیسا کہ ارسطو کا قول ہے کہ انسان ایک معاشرتی حیوان ہے خاندان، انسانی فطرت کی توسیع ہے۔ گاؤں خاندانوں کی توسیع ہے اور ریاست، خاندانوں کے اتحاد اور گاؤں کی توسیع ہے۔

ارسطو کہتا ہے، خاندان میں شوہر، بیوی، بچے، غلام اور جائداد شامل ہے، اس میں تین قسم کے رشتے شامل ہیں۔ آقا اور غلام، شادی (شوہر اور بیوی کے مابین) اور والدین (باپ اور بچوں کے درمیان) ارسطو کا خیال تھا کہ آقا غلام پر حکمرانی کرتا ہے، شوہر بیوی پر (ارسطو، عورت کو مرد کے بمقابل کم تر اور نا مکمل انسان قرار دیتا ہے) اور باپ، بچوں پر حکمرانی کرتا ہے۔ سرقبیلی نظام میں اپنے یقین کی بنا پر، ارسطو عورتوں کو گھر کی چہار دیواری میں رکھنا چاہتا تھا جو

گھر کے کام کاج، بچوں کی پیدائش اور پرورش نسل کے لیے موزوں تھی۔ اس کے خیال میں، مرد خاندان کا سربراہ ہوتا ہے۔ اسی بنا پر ارسطو نے زور دیا کہ مرد عورت کے مقابل بالاتر ہے وہ غلام مقابل زیادہ عقلمند اور بچوں کے مقابل زیادہ تجربہ کار ہے۔ ارسطو کو یقین تھا کہ خاندان ہی وہ اکائی ہے جو بالآخر ریاست کی تعمیر کرتی ہے انسان سے خاندان خاندان سے گاؤں، گاؤں سے ریاست—اس طرح ریاست کا فطری نشو ونما ہوتی ہے۔

خاندان سے متعلق ارسطو کے خیالات، افلاطون کے خیالات سے قطعی مختلف ہیں۔ پھر بھی، افلاطون کے مقابلہ میں ارسطو فلسفیانہ نقطۂ نظر سے، اس سے بہتر نہیں ہے۔ مثالی ریاست کے مفادات کو ارسطو فرزندانہ محبت کے برخلاف مانتا ہے۔ ارسطو، خاندان کو ریاست کی بنیاد قرار دیتا ہے کیونکہ وہ نجی اور عام شعبوں کو ایک دوسرے سے جدا رکھتا ہے بعد میں یہ تصور میری والسٹن کرافٹ[47] اور جے۔ ایس۔ مل[48] جیسے حریت پسند حامی نسوانیت نے اپنی تحریروں میں شامل کیا اور اس کی مزید وضاحت کی۔

ارسطو، غلامی کو حق بجانب قرار دیتا ہے جو اصل میں اس وقت کا نظام تھا۔ وہ تحریر کرتا ہے: ''اس مقصد سے کہ بعض لوگوں کو حکومت کرنی چاہئے اور بعض لوگوں پر حکومت کی جانی چاہئے، نہ صرف ضروری ہے بلکہ مصلحت پسندانہ بھی ہے۔ کچھ لوگ اپنی پیدائش سے ہی رعایا بننے کی نشانی ظاہر کردیتے ہیں، دوسرے حکومت کرنے کے لیے'' اس لیے فوسٹر[49] درست کہتا ہے، ''درحقیقت، ارسطو مصلحتاً غلامی کو حق بجانب قرار دیتا ہے''۔ بارکر[50] کے مطابق: ''ارسطو کا نظریہ غلامی، حقائق کے غیر دلچسپ مشاہدہ سے تخراج سے کہیں زیادہ ایک ضرورت کو حق بجانب قرار دینا ہے''۔ دوسروں سے کہیں زیادہ، ارسطو کے ذریعہ غلامی کو حق بجانب قرار دینے پر مکیسے وضاحت کرتا ہے۔'' ارسطو کا خیال ہے کہ بعض لوگ یہ تبصرہ کرتے ہیں کہ غلامی درست نہیں اور فطرت کے خلاف ہے۔ لیکن اس کی اپنی رائے یہ ہے کہ غلامی قانون فطرت اور اصول انصاف کے عین مطابق ہے۔ وہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ فطری طور سے بعض لوگ رعایا بننے کے لیے ہی پیدا ہوئے ہیں۔ اس لیے نہیں کہ وہ جسمانی یا دماغی طاقت میں کم تر ہوتے ہیں بلکہ وہ غلامانہ فطرت کے مالک ہوتے ہیں اور جب دوسرے ان پر حکومت کرتے ہیں تو وہ بہتر محسوس کرتے ہیں۔ کسی نہ کسی حد تک ان میں وہ روحانی صلاحیت نہیں ہوتی جو ایک آزاد انسان اور مالک کا اعتبار ہوتی ہے۔ نتیجہ کے طور پر، یہ درست ہے کہ ان کو جائداد کی حیثیت سے رکھا جائے اور استعمال کیا جائے۔ جیسے دوسری جائداد استعمال کی جاتی ہے بحیثیت محبت زندگی گزارنے اور قائم رکھنے کے ذریعہ کے''۔

کیوں ایک انسان غلام بنے اور دوسرا مالک؟ ارسطو کا جواب ہے: ''وہ جو ہوسکتا ہے، لہذا وہ مالک کا ہے اور وہ جو عقل اور دانش مندانہ اصولوں کو بحث کے لیے استعمال کرتا ہے، عقل سے سمجھتا ہے۔ جس کے پاس یہ اصول نہیں ہے وہ فطرتاً غلام ہے۔'' اور وہ جو خود اپنا ہے اور استدلالی اصولوں کا استعمال محض اس لیے کرتا ہے کہ اس کے پاس ایسا اصول ہے، وہ مالک ہے۔'' ایک آزاد یا مالک، غلام سے کیسے امتیاز رکھتا ہے؟ ارسطو یہ نکتہ پیش کرتا ہے: ''آزاد اور غلاموں کے درمیان فطرت امتیاز کرے گی، غلاموں کو خدمت یا محنت کے لیے مضبوط بنا کر، دوسرے (آزاد انسان) کو راست باز بنا کر، اگر چہ وہ ایسی خدمت کے لیے بے کار ہوں گے (جیسے محنت) لیکن سیاسی زندگی کے لیے کارآمد اور جنگ و امن کے فن میں مفید'' ہوں گے۔ لہذا وہ خلاصہ کرتا ہے: ''تو یہ واضح ہے، کہ بعض لوگ فطرتاً آزاد ہوتے ہیں اور دوسرے غلام اور بعد الذکر کے لیے غلامی میں مصلحت بھی ہے اور درست بھی''۔ ارسطو کی حجت کی حمایت میں دی جانے والی دلیل کو اس کے ہی الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے: ''جیسے روح اور جسم میں اس طرح کا فرق ہے یا انسان اور حیوانوں میں (جیسا کہ ان لوگوں میں جن کا کام ہے اپنے جسم کا استعمال کرنا) اور وہ جو اس سے بہتر نہیں ہیں، نچلے قسم کے لوگ فطری غلام ہیں، یہی ان کے لیے بہتر ہے اور تمام کمتر لوگوں کے لیے بھی یہی بہتر ہے کہ وہ کسی آقا کے ماتحت ہونے چاہئیں''۔

غلامی محض فطری نہیں، یہ ضروری بھی ہے۔ ارسطو کی دلیل ہے کہ یہ فطری ہے کیونکہ فطرت مساوات کو قبول نہیں کرتی۔ وہ مزید کہتا ہے کہ یہ ضروری ہے کہ اگر مالک کو آزاد زندگی گزارنے کے لیے غلام کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو غلام کو بھی ایک مالک کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ آزاد انسانوں کی صحبت میں رہ کر ان کی نیکیاں حاصل کرسکے۔

ارسطو کے مطابق، غلام انسان ہے وہ ایک کم تر انسان ہے، نامکمل اور وحشی ہے۔ البتہ کام کے لیے وہ چست ذریعہ ہے۔ پیداوار کے مقصد کے لیے نہیں بلکہ وہ گھر کے کام کاج میں مدد کرتا تھا۔ وہ آقا کی ملکیت تھا البتہ، ارسطو نے، غلاموں کے تئیں غیر انسانی سلوک کو رد کیا اور ان کے اچھے برتاؤ کے عوض،

47. میری والسٹن کراف : MARY WOLISTONECRAFT
48. جے۔ایس۔مل : J.S. JILL
49. فوسٹر : FOSTER
50. بارکر : BARKER

ان کی رہائی کی وکالت کی۔ ارسطو نے اپنی موت سے ایک سال قبل، اپنے غلاموں کو آزاد کر دیا تھا۔ ارسطو کے تضاد میں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ افلاطون نے 'جمہور' میں غلامی کا خاتمہ کر دیا تھا۔ لیکن حقیقت شاہد یہ ہے کہ افلاطون نے غلامی کو اس لیے قبول کر لیا تھا کہ یہ اس کے زمانہ میں ایک ادارہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ اور اس کا خاتمہ، معاشی تباہی کا پیش خیمہ ہو سکتا تھا۔ اس کے برخلاف، ارسطو نے اس وقت مغربی دنیا میں موجود حقائق کو اس طرح بیان کیا جیسے کہ وہ اس وقت واقعی تھے، البتہ اس نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ جب وقت کا پہیہ چکر لگائے گا تو اس وقت غلامی نہیں ہوگی، جب مشین انسان کی جگہ لے گی اور بالکل ایسا ہی ہوا۔ صنعتی انقلاب آنے سے غلامی کا خاتمہ ہو گیا۔

3.4.3 نظریہ انقلاب

سیاست، کی پانچویں فصل میں ارسطو نے بعض اہم ترین مسائل میں سے ایک پر بحث کی جس نے اس کتاب کو آنے والے زمانوں کے مدبرین کے لیے ایک دستاویز بنا دیا۔ جو مسئلہ اس نے اٹھایا وہ سیاسی عدم استحکام سے متعلق تھا یا انقلابات کی وجوہات اور ان کے حل سے متعلق۔ ارسطو کا تجزیاتی اور تجرباتی ذہن بہت سی وجوہات اخذ کرتا ہے جو ریاست کی زندگی کو متاثر کرتی ہیں۔ ایک طبیب اپنے مریض کا معائنہ کرتا ہے تب علاج تجویز کرتا ہے۔ اسی طرح ارسطو نے کیا۔ ایک پیشہ ور معالج کا بیٹا یہ تحقیق کرتا ہے کہ ریاستوں کو لگنے والی بیماریوں کی کیا وجوہات ہیں اور پھر ان کے علاج کی تجویز پیش کرتا ہے گیٹیل[51] کے الفاظ میں: ''سیاست، سیاسی فلسفہ کا باقاعدہ مطالعہ نہیں کرتا ہے بلکہ اس کی بجائے حکومت کے فن پر ایک رسالہ ہے۔ ارسطو اس میں ان خرابیوں کا تجزیہ کرتا ہے جو یونانی شہریوں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ سیاسی نظاموں میں جو خامیاں موجود تھیں اور خطرات سے گریز کرنے کے بہترین طریقے تجویز کرتا ہے۔'' ڈننگ[52] وہی بات تحریر کرتا ہے: ''سیاست کی پانچویں فصل میں، ارسطو ان وجوہات کی وضاحت کا طریقہ اختیار کرتا ہے جو انقلاب کا باعث ہوتی ہیں اور اسی کے ساتھ ساتھ، ان کی روک تھام کے بہترین طریقے بھی تجویز کرتا ہے''۔

ارسطو کے خیال میں، انقلاب کے معنی ہیں دستور میں تبدیلی، حکمرانوں میں تبدیلی، چھوٹی یا بڑی تبدیلی۔ اس کے یہاں، بادشاہت سے اشرافیہ، بڑی تبدیلی کی مثال کے طور پر یا اس میں تبدیلی ایک انقلاب ہے۔ جب جمہوریت کم جمہوری ہو جاتی ہے، یہ بھی ایک انقلاب ہے حالانکہ یہ چھوٹا انقلاب ہے۔ ارسطو کے خیال میں، سیاسی تبدیلی ایک انقلاب ہے۔ چھوٹا یا بڑا (پورا یا جزیاتی) مکمل یا تھوڑا۔ ارسطو کے انقلاب کے معنی کو مختصر طور پر واضح کرتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ انقلاب کے معنی ہیں: (ii) حکمراں طبقہ میں تبدیلی (ii) سیاسی نوعیت کی تبدیلی، (iii) محلاتی انقلاب، (iv) سیاسی عدم استحکام یا سیاسی تبدیلی، (v) تبدیلی جس کے نتیجہ میں تباہی اور خون خرابہ ہوتا ہے۔

ارسطو حالتِ موجودہ کا وکیل تھا۔ اور سیاسی تبدیلیوں کا حامی نہیں تھا کیونکہ وہ اپنے ساتھ تباہ کن اور پرتشدد تبدیلیاں لاتی ہیں۔ اسی لئے وہ 'سیاست' میں انقلابات کی عام و خاص وجوہات، اسکے بعد ان سے گریز کرنے کے لئے کافی گنجائش دیتا ہے۔''

ارسطو نے 'سیاست' میں عام انقلابات کی وجوہات کا جس طرح ذکر کیا ہے ان کو پروفیسر میکسے اس طرح بیان کرتا ہے: ''وہ ہیں (1) سہولیات اور امتیازی حق کے لئے عالمگیر خواہش جس کی وجہ سے انسان احتجاج کرتے ہیں اور ان حالات کے خلاف بغاوت کرتے ہیں جو ان کی رائے میں ناانصافی کے طریقہ سے) دوسرے لوگوں کو عہدہ یا دولت میں زیادہ فوقیت دیتے ہیں، (2) حکمرانوں یا حکمراں طبقات کی گستاخی اور طمع، جس کی وجہ سے لوگ ان کے خلاف ردعمل ظاہر کرتے ہیں (3) ایک یا ایک سے زیادہ افراد کے ہاتھوں میں زیادہ اختیارات کی وجہ سے ان اندیشوں میں اضافہ ہوتا ہے کہ وہ تو بادشاہت یا چندسری حکومت کے طرز پر عمل کر رہے ہیں۔ (4) لوگوں کی کوشش کہ جو غلط کام کے احساس جرم میں، انقلاب کے جذبات کو اشتعال دیتے ہوئے اپنے برے کاموں کو دھوئیں میں اڑانے یا دوسروں کے حملہ سے لوگوں کو آزاد کرنے کے لئے ایسا کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے متوقع دشمنوں کے خلاف انقلاب کی شروعات کرسکے۔ (5) ریاست کے کسی حصہ (علاقائی، معاشرتی، معاشی یا کوئی اور کام) کے غیر مناسب طریقہ سے بڑھنے کے نتیجہ میں، دوسرے حصوں میں شدید یا پراثر آنا۔ (6) مختلف نسلوں کے لوگوں میں رقابت اور نزع۔ (7) خاندانی جھگڑے اور تنازعے، اور (8) عہدہ اور اقتدار کے لئے رقیب طبقات اور سیاسی گروہوں یا جماعتوں کے درمیان کشمکش۔''

انقلابات کی عام وجوہات میں اضافہ کرتے ہوئے، ارسطو، مخصوص وجوہات کا اضافہ کرتا ہے۔ کسی جمہوریت میں انقلاب کی سب سے اہم وجہ، عوامی

51. گیٹیل : GETTEL

52. ڈننگ : DUNNING

سربراہان کا غیر اصولی کردار ہوتا ہے۔ فتنہ انگیز مقرر رئیس طبقہ میں انفرادی یا اجتماعی طریقہ سے حملہ کرتے ہیں تاکہ وہ طاقت ور انداز میں احتجاج کرسکیں اور چندسری حکومت کو ابھرنے میں سہولت فراہم کرسکیں۔ چندسری حکومتوں کے اقتدار سے محروم کردینے کی وجوہات اندرونی ہوسکتی ہیں کیونکہ جب بااقتدار طبقہ کے اندر کوئی خاص گروہ زیادہ بااثر یا دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ رئیس ہوجاتا ہے۔ باہری وجہ یہ ہوسکتی ہے۔ کہ حکمراں طبقہ، عوام کے تئیں جداگانہ امتیازی برتاؤ کرے۔ اشرافیہ حکومتوں میں چندلوگ عزت ووقار کے مالک ہوتے ہیں جب مستفید ہونے والے افراد کی تعداد کم ہوجاتی ہے یا امیر وغریب کے درمیان زیادہ فرق ہوجاتا ہے تو انقلاب کی وجہ بن جاتا ہے۔ شاہی حکومت، بادشاہت اور مطلق العنان حکومتیں دستور کی خراب شکلیں ہوتی ہیں۔ ان میں بغاوت کے آثار زیادہ ہوتے ہیں۔

انقلابات کی ان وجوہات سے گریز کرنے کے لئے ارسطو نے کچھ طریقے تجویز کئے ہیں۔ اس سلسلہ میں میکسے کہتا ہے: ''وہ (ارسطو) پہلی ضروری بات یہ کہتا ہے کہ قانون کے تئیں وفاداری کے جذبہ کو قائم رکھنے کے لئے حسد کا ہونا لازمی ہے۔ کیونکہ انحراف، بغیر اطلاع کے ہوتا جاتا ہے اور آخر کار ریاست کو تباہ کردیتا ہے'' دوسری چیز ہے عوام کے کس طبقہ کے ساتھ برابری کا سلوک نہ کرنا جن کو حکومت سے الگ تھلگ کردیا گیا ہو۔ ان کے اندر غالب جذبات کو مناسب طور پر تسلیم کرنا''۔ انقلاب روکنے کے لئے تیسرا طریقہ ارسطو کے مطابق وطن پرستی کے جوش کو قائم رکھنا وہ حکمراں جس کو ریاست کی فکر ہے اس کو خوف کی ایجاد کرنی چاہئے۔ دور کے خطروں کو قریب لانا چاہئے۔ تاکہ شہری اپنی حفاظت خود کرسکیں اور شب کے محافظوں کی طرح اپنی توجہ کبھی نہ ہٹنے دیں۔'' چوتھی مصلحت ہے۔ اس بے اطمینانی کا جواب دینا جو عہدوں کی بہترین مساوات سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کا انتظام کیا جائے جو مجسٹریٹ کو اپنے عہدوں سے پیسہ کمانے سے روکے گا اس کے لئے عہدہ کی مدت کو کم کیا جائے اور خطابات کی تقسیم کا باضابطہ بنایا جائے تاکہ کوئی شخص یا جماعت غیر مناسب طریقہ سے طاقتور نہ بن جائے۔۔۔'' پانچواں اور آخری یہ۔۔۔ وہ تمام باتیں جن کا میں نے ذکر کیا ہے جو دساتیر کے مستقل موجود رہنے میں زیادہ حصہ ادا کرتا ہے وہ ہے تعلیم کو حکومت کی قسم کے مطابق ڈھالا جائے۔'' بہ الفاظ دیگر، نوجوان کو دستور کی روح کے مطابق تربیت دی جائے خواہ وہ دستور کیسا ہی ہو۔ ان کو سیاسی معاشرہ کی مخصوص قسم کو مضبوط حصہ کی حیثیت سے توجہ دی جائے اور عمل کی تربیت دی جائے۔

انقلابات کے عام اور مخصوص وجوہات کا بہترین اور حقیقی تجزیہ اور اس کے ساتھ غیر صحت مند نظام کے علاج کے لئے تجاویز جو ارسطو نے پیش کیں پھر بھی انقلاب کے موضوع پر اس کی تمام بحث بڑی بڑی غلطیوں سے خالی نہیں ہے۔ اس نے انقلاب کے نہایت محدود معنی فراہم کئے۔۔۔ محض ایک سیاسی تبدیلی، یہ فراموش کرتے ہوئے کہ انقلاب ہمیشہ پورے نظام کے تانے بانے میں ایک مکمل معاشرتی تبدیلی ہوتی ہے۔ اس کے یہاں انقلاب منفی کردار کی حیثیت رکھتے ہیں یعنی انقلاب اپنے ساتھ تباہی، تشدد اور خون خرابہ لاتے ہیں۔ اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر، جیسا کہ مارکس نے کہا انقلابات تاریخ کے انجن ہوتے ہیں اور تشدد اس پوری تبدیلی کا ایک غیر اہم حصہ ہوتا ہے۔ ارسطو سے انقلابات کو دور رکھا جائے، اس کو موجودہ حالات کا مسلم، بنایا جائے۔

3.4.4 نظریہ ریاست

افلاطون کی طرح، ارسطو کے یہاں بھی ریاست (Polis) سب سے اہم ہے۔ افلاطون اور ارسطو 'Polis' میں ریاست سے بھی زیادہ کچھ دیکھتے ہیں۔ دونوں کے لئے 'Polis' ایک برادری بھی ہے اور ایک ریاست بھی، ریاست کے ساتھ حکومت بھی، حکومت کے ساتھ ساتھ ایک ادارہ بھی، ادارہ کے ساتھ ساتھ ایک مذہب بھی بہت کچھ ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ دونوں ہی 'Polis' کو ایک مکمل زندگی کے حصول کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ افلاطون کے یہاں اور ارسطو کے یہاں بھی ریاست کی ابتداء، بنیادی ضرورتوں کی تکمیل سے ہوئی۔ لیکن جیسے جیسے اس نے ترقی کی، اچھی اور بہتر زندگی کے لئے زیادہ ضروری بلند مقاصد کو حاصل کرنے لگی۔ ارسطو کا قول ہے'' ریاست ایک اچھی زندگی کے حصول کے لئے وجود قائم رکھتی ہے۔ محض زندہ رہنے کے لئے نہیں۔''

ارسطو کے نظریہ ریاست کے مخصوص پہلوؤں کو مختصر طور پر، درج ذیل بیان کیا جاسکتا ہے:

(i) افلاطون کے نزدیک، ریاست ایک فطری تنظیم ہے، مصنوعی نہیں۔ افلاطون کی مثالی ریاست کے برعکس ارسطو کی ریاست کی تعمیر نہیں کی جاتی اور نہ ہی اسے بنایا جاسکتا ہے۔ یہ ایک نشو ونما ہے جو آہستہ آہستہ گاؤں سے فروغ پاتی ہے۔ دیہات خاندانوں سے فروغ حاصل کرتے ہیں اور خاندان، انسانی فطرت ہے۔ اس کی معاشرتی فطرت سے ریاست کا فروغ ایک درخت کی مانند ہوا ہے۔

(ii) ریاست، فرد سے مقدم ہے، اس معنی میں کل، ماضی سے مقدم ہے۔ ارسطو کا قول ہے: ''واضح طور پر، ریاست فطرتاً خاندان اور فرد سے مقدم ہے

کیونکہ سب کچھ لازماً ماضی سے مقدم ہے۔ مثلاً، اگر پورا جسم ختم کر دیا جائے، نہ کوئی پیر نہ ہاتھ، سوائے ایک غیر یقینی احساس کے، پھر ہم پتھر کے ہاتھ کی بات کریں۔ کیونکہ جب ہاتھ ختم کر دیا جائے گا تو اس سے بہتر کچھ نہ ہوگا۔ لیکن اشیاء کے معنی ان کے کام کاج اور قوت سے طے کئے جاتے ہیں۔ ہمیں یہ نہیں کہنا چاہئے کہ وہ سب ایک جیسے ہیں۔ اگر ان کا مخصوص معیار باقی نہ رہے تو سوائے نام کچھ ایک جیسا نہیں ہوتا"۔ "یہ ثبوت ہے کہ ریاست فطرت کی تخلیق ہے اور فرد سے مقدم ہے" وہ کہتا ہے کہ اگر "فرد کو الگ تھلگ کر دیا جائے تو وہ خود کفیل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ 'کل' کے ایک حصہ کی حیثیت رکھتا ہے وہ مزید کہتا ہے کہ جو شخص معاشرہ سے علیحدہ کر دیا جائے وہ خود کفیل نہیں ہو سکتا یا جس کی اپنی کوئی ضرورت نہیں اور وہ خود کفیل ہے تو ایسا شخص یا تو حیوان ہے یا کوئی دیوتا، وہ ریاست کا حصہ نہیں۔"

(iii) ریاست کوئی تنظیم یا جماعت نہیں جیسا کہ ارسطو نام دیتا ہے بلکہ یہ تنظیموں کی تنظیم ہے۔ دوسری تنظیمیں اتنی بڑی نہیں ہوتیں جس قدر ریاست بڑی ہوتی ہے۔ وہ مخصوص ہوتی ہے اور اسی لئے ان کے مقاصد اور ماہیت محدود ہوتی ہے۔ دوسری جانب، ریاست کے بہت سے عام مقاصد ہوتے ہیں اسی لئے اس کے کام دوسری تنظیموں کے مقابلہ وسیع تر ہوتے ہیں۔

(iv) ریاست ایک جسمانی نظام کی مانند ہے۔ ارسطو کا خیال تھا کہ جس طرح انسانی جسم کے اعضاء ہوتے ہیں اسی طرح ریاست کے اعضاء۔ افراد ہوتے ہیں۔ وہ دلیل دیتا ہے کہ ریاست کے بغیر افراد کی کوئی اہمیت نہیں جیسے جسم سے علیحدہ کئے گئے ہیں اعضاء کی اپنی زندگی نہیں۔ جسم کے اعضاء کا مفاد، جسم کے مفاد میں پوشیدہ ہے۔ جسم سے علیحدہ کیا گیا ایک ہاتھ کس کام کا ہے۔ اسی طرح افراد کا مفاد، ریاست کے مفاد میں پیوست ہے۔

(v) ریاست ایک خود کفیل ادارہ ہے جو دیہات یا خاندان سے مل کر بنی ہے۔ ایک خود کفیل ریاست، خاندانوں اور دیہاتوں کے مقابلے اعلیٰ مقام رکھتی ہے۔ یہ ان کی جماعت کفیل ریاست، خاندانوں اور دیہاتوں کے مقابلے اعلیٰ مقام رکھتی ہے۔ یہ ان کی جماعت ہے۔ خاندان کے ممبران کی حیثیت سے معاشرتی ہو جاتے ہیں۔

(vi) ارسطو کا بیان ہے کہ ریاست میں وحدت نہیں ہے جیسا کہ افلاطون سمجھتا ہے۔ افلاطون ریاست میں وحدت حاصل کرنے کا خواہاں ہے۔ ارسطو بھی وحدت کا طلب گار ہے لیکن اس کے خیال میں، تکثیر میں وحدت ہے۔ ریاست، یکسانیت کا نام نہیں بلکہ یہ وہ چیز ہے جو تمام تکثیر کو یکجا کرتی ہے۔

(vii) سبائن کے مطابق، ارسطو کی بہترین عملی ریاست، جو افلاطون کی دوسری بہترین ریاست ہے، ممکن بہترین ریاست ہے۔ بہترین قابل عمل۔ میک ال ون[53] ارسطو کی بہترین ممکن ریاست کا خلاصہ یہ کہتے ہوئے کرتا ہے: "ارسطو کی بہترین ممکن ریاست محض وہ ہے جو نہ تو امیر ہے اور نہ ہی غریب، جو زیادہ دولت یا تجارت یا علاقہ کی بے پناہ وسعت سے دور اور خطرات سے محفوظ ہے۔ ہم رنگ خوبی کی مالک، قابل دفاع، اشتعال سے دور خود کفیل برادری لیکن جارحانہ نہیں۔ بڑی لیکن عظیم نہیں۔ سختیوں سے آزاد شہر، جو نیکی اور اور تہذیب کے اعلیٰ ممکن معیار کو حاصل کرنے میں سنجیدہ ہو۔ سب کی سچی خوشی اور خوشحالی، ہر ایک کے ذریعہ اور سب کے ذریعہ قابل حاصل۔" یہ وہ ریاست ہے جو (i) چھوٹی شہری ریاست ہے (ii) جس کا علاقہ آبادی کے مطابق ہے (iii) جغرافیائی اعتبار سے قریب، جہاں اچھی آب و ہوا موجود ہو (iv) جہاں قانون کی حکمرانی ہو، اور (v) جہاں اختیار و اقتدار امراء کے ہاتھوں میں ہو۔

158 دساتیر کے اپنے مطالعہ کے بنیاد پر ارسطو نے تقسیم کا ایک خاکہ پیش کیا ہے جو ان تمام آنے والے فلسفیوں کے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے جنہوں نے حکومتوں کو کسی طرز پر تقسیم کرنے کی کوشش کی۔ اس کے خیال میں، ایک شخص کی سب کے مفاد میں حکمرانی ــــ شاہی حکومت ہے جس کی بگڑی ہوئی شکل مطلق العنان حکومت ہے جو حکمراں کے مفاد کی خاطر اپنا وجود قائم رکھتی ہے۔ چند افراد کی سب کے مفاد میں حکومت ــــ اشرافیہ ہے اور اس کی بگڑی ہوئی شکل چند سری حکومت ہوتی ہے۔ وہ حکومت جو سب کے مفاد میں بہت سے لوگوں کے ذریعہ کام کرتی ہے مدنی حکومت کہلاتی ہے اور اس کی بگڑی ہوئی شکل جمہوریت ہے جو صرف ان لوگوں کے لئے وجود میں رہتی ہے جن کے پاس اقتدار ہے۔ ارسطو، پیسہ کی تقسیم کا حوالہ دیتا ہے وہ ہے شاہی حکومت کے بعد مطلق العنانیت، مطلق العنانیت کے بعد اشرافیہ، اشرافیہ کے بعد چند سری حکومت کے بعد مدنی حکومت، مدنی حکومت کے بعد جمہوریت، جمہوریت کے بعد شاہی حکومت، اور اس طرح تقسیم کا یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔

اب ارسطو کی تقسیم پرانی ہو چکی ہے کیونکہ موجود حالات پر اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا ہے۔ جس کو وہ ریاستوں کو تقسیم قرار دیتا ہے دراصل وہ حکومت کی تقسیم ہے۔ تمام قدیم یونانیوں کی طرح وہ بھی ریاست اور حکومت کو خلط ملط کرتا ہے۔

---

53. میک ال ون MCLWAIN

3.5 ارسطو کے سیاسی نظریہ کا احتساب
Evaluation of Aristotle's Political Theory

ارسطو کے ناموسی دماغ نے انسانی علوم جیسے علم الطبیعات، علم الحیاتیات سے اخلاقیات اور علم سیاسیات تک، عملی طور پر تمام علوم کی شاخوں کا احاطہ کرلیا تھا۔ حالانکہ اس کی بہترین ریاست، افلاطون کی دوسری بہترین ریاست ہے لیکن ارسطو کی تصنیف 'سیاست' کا لہجہ اور مزاج اور، افلاطون کی 'جمہور' میں پوشیدہ سیاسی بصیرت سے بہت مختلف ہے۔ اس فرق کی وجہ سے وہ حقیقت ہے کہ 'جمہور' کے برخلاف، سیاست، ارسطو کے لکچر نوٹس اور ایک عرصہ کے دوران تحریر کردہ مضامین کا مجموعہ ہے۔ افلاطون کی 'جمہور' سیاسی جنگ میں اسپارٹا کے ہاتھوں ایتھینز کی شکست اور ایتھینز کی جمہوری حکومت کے ذریعہ سقراط کی سزائے موت کے پس منظر میں تحریر کی گئی۔ اس کے بجائے ایک سائنسداں کے ذہن کی عکاسی کرتی ہیں۔

یہ درست ہے کہ ارسطو کو علم سیاسیات کا باپ کہا جاتا ہے کیوں کہ اس نے سیاسی اداروں اور سیاسی برتاؤ کا باریک بینی اور مشقت کے ساتھ مطالعہ کیا۔ اس مطالعہ کے ذریعہ علم سیاسیات کا سائنسی اور تجرباتی طریقہ سے مطالعہ کرنے کا پہلا سانچہ تیار ہوا۔ اس کی تقسیم دساتیر نے تقابلی سیاست کے مطالعہ کی پہلی عظیم کوشش کی۔ جب اس نے انسان کو ایک معاشرتی حیوان قرار دیا تو سیاست کی افضلیت کو پورے عزم کے ساتھ قائم کیا۔ انفرادی زندگی گزارنے والے حیوان جیسے شیر، چیتوں نمول پسند حیوان جیسے ہاتھی، چینٹی، شہد کی مکھی اور بھیڑوں کے درمیان امتیاز کیا۔ اس کا سب سے دیرپا اثر، قانون کی بالادستی کی وکالت میں پایا گیا۔ جس نے قانون کو سب زیادہ دانش منداور بہترین مجسم قرار دیا ہے۔ موجودہ تہذیب کی پوری عمارت، دستوری دفعات اور بخوبی واضح قوانین کی بنیاد پر قائم ہے۔ دونوں کی ابتدا ارسطو سے ہوئی۔ اس معنی میں، افلاطون کے مقابلہ کم آرزومند ہوتے ہوئے بھی ارسطو زیادہ عمل پسند تھا۔ ارسطو کے عملی نسخے زیادہ دیرپا اور زیادہ موثر ثابت ہوئے افلاطون کے شدید اشتعال انگیز تصورات کے مقابلہ میں۔

3.5.1 اثرات

ایسی غیر معمولی فہم وفراست کی وجہ سے، بعد کے سیاسی فلسفیوں پر ارسطو کا اثر، سیاسی نظریہ کی تاریخ میں بے مثل ہے۔ ریاست سے متعلق اور ریاست کی نوعیت پر اس کے نظریات کو آج تک چیلنج نہیں کیا گیا۔ وہ تمام لوگ جو ریاست کی تقسیم کی جرأت کرتے ہیں، ارسطو کی تقسیم ریاست سے ہی شروعات کرتے ہیں۔ انقلاب سے متعلق اس کے خیالات، اس موضوع پر حرف آخر ہیں۔ یہاں تک کہ مارکس نے ایک مختلف انداز میں اس کا تجزیہ کیا۔ البتہ، کمیونزم کے زوال یا ارسطو کے نظریات میں دلچسپی میں اضافہ کیا مارکس کے لیکر پولی بی اس[54] (204-122 قبل مسیح) سسرو[55] (106-43 قبل مسیح)، ٹامس ایکوی ناس[56] (1227-1274) مارسی لی او آف پیڈوآ[57] (1270-1342)، میکاویلی[58] (1469-1527)، جون لوک[59] (1632-1704) اور موجودہ اہل اشتمالیت جیسے ٹیلر[60] میک ان ٹائر[61]، سندل[62] سب ارسطو کی پیروی کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ موجودہ زمانہ میں تحریر کردہ تصانیف میں بھی یہ جذبہ ان سیاسی نظریات میں موجود ہے۔

Summary 3.6 خلاصہ

ارسطو بحیثیت اول عالم سیاست کے، افلاطون کا شاگرد تھا۔ حالانکہ اس نے اپنے استاد کی شدت سے تنقید کی۔ وہ انسان کو معاشرتی حیوان قرار دیتا تھا اور ریاست کو ایک فطری تنظیم جو صرف زندگی کے لیے نہیں بلکہ ایک بہتر زندگی کے حصول کے لیے قائم رہتی ہے۔ مدنی حکومت جس میں چندسری اور جمہوری خصوصیات یکجا ہوگئی تھیں، حکومت کی بہترین قسم تھی، اور پرتشدد تبدیلیوں و انقلابات کو روکنے کا بہترین طریقہ بھی۔ یہ محض خیالی نہیں تھا بلکہ ممکن اور قابل عمل بھی تھا۔ ارسطو کو یقین تھا کہ فرد، انسان صرف ریاست کے اندر ہی ترقی کرسکتا ہے۔ چونکہ انسان سیاسی فطرت رکھتے ہیں۔ لہذا ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ ان کو معاشرتی بنائے۔

54. پولی بی اس : Polybius
55. سسرو : CICERO
56. ٹامس ایکوی ناس : THOMAS ACQUINAS
57. مارسی لی او آف پیڈوآ : MARSILIO OF PADUA
58. میکاویلی : MACHIAVELLE
59. جون لوک : JOHN LOCKE
60. ٹیلر : TAYLOR
61. میک ان ٹائر : MACINTYRE
62. سندل : SANDEL